احکام تحریر کر دیئے ہین، رسالہ اپنے معلومات کے لحاظ سے مفید ہے،

دعائین مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۴ر پتہ:۔ مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ،

ایک مسلمان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کا ہر گوشہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد و دستگیری کا محتاج ہے، اس لئے حدیثون مین ہر مشکل ہر مصیبت اور ہر برائی سے بچنے اور ہر نیکی اور بھلائی کی طلب و توفیق کی دعائین موجود ہین، لائق مؤلف نے اس رسالہ مین مختلف موقعون کی ماثور دعاؤن کو ترتیب کے ساتھ مع ترجمہ مرتب کر دیا ہے،

اشرف الکلام:۔ از جناب سید شاہ ذکی اشرف صاحب کچھوچھوی تقطیع چھوٹی ضخامت:۔ ۹۲ صفحے، کاغذ، کتابت، و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر، پتہ:۔ مولانا سید شاہ عبدالحیٔ صاحب سجادہ نشین، ڈاکخانہ بگھاری ضلع فیض آباد، (۲) مولوی سید ذکی اشرف صاحب تعلقہ کنتر ضلع اورنگ آباد دکن،

یہ کتاب جناب مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے، انھون نے اگرچہ ادبی رسالون کے ذریعہ شاعرانہ شہرت حاصل نہین کی لیکن وہ ایک خوش مذاق اور کہنہ مشق شاعر ہین، اور اُن کے کلام مین زبان کی صحت و صفائی خیالات کی پاکیزگی، اور مشق و مہارت کی پختگی نمایان ہے، اُن کو حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف نسبت حاصل ہے، اس نسبت کی کیفیت بھی اس کلام مین جا بجا موجود ہے، امید ہے، کہ اصحاب ذوق اس سے لطف اندوز ہون گے،

"م"

جلد ۶۷ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۵۱ء عدد ۳

مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۱۶۲-۱۶۴

مقالات

داستان غلیل — مولانا ابوالجلال ندوی — ۱۶۵-۱۸۲

ہندوستان کے عربی شعراء پر ایک نظر — جناب سید اختر علی صاحب تلہری — ۱۸۳-۲۰۱

کتابت احادیث عہد نبوی مین — جناب خلیق نقوی صاحب قادری — ۲۰۲-۲۱۳

روحانی دنیا — جناب پروفیسر عبدالماجد صاحب مظفرپور — ۲۱۴-۲۲۵

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے عہد کی ایک جھلک — ڈاکٹر ٹیتوز ٹوپا ریڈر ہسٹری آف انڈین کلچر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن — ۲۲۶-۲۳۲

بعض اہل قلم کے لکھنے کے طریقے — "ص ع" — ۲۳۳-۲۳۴

ادبیات

عرفان عارف — جناب عارف عباسی بلیاوی — ۲۳۵

غزل — جناب وجیہہ الحسن صاحب رضوی سیتاپوری — ۲۳۵-۲۳۶

غزل — جناب قیسی رامپوری فاروقی، ایم اے — ۲۳۶

مطبوعات جدیدہ — "م" — ۲۳۷-۲۴۰

شذرات

فرقہ پروری اور الیکشن کے جنون کا اثر سب سے زیادہ دل و دماغ پر پڑتا ہے، اس کا تازہ ثبوت ہندو مہا سبھا کے صدر ڈاکٹر کھرے کی وہ تقریر ہے جو انھون نے حال ہی مین پٹنہ مین کی ہے، اس مین انھون نے سرمایہ داری اور امپیریلزم کی طرح اسلام کو بھی دنیا کے لئے خطرہ بتایا ہے اور ہندوؤن کو ڈرایا ہے کہ اسلام پھر سر اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے اس نے تقسیم کے ذریعہ ایک اسلامی سلطنت قائم کرنے مین کامیابی حاصل کر لی ہے اور اس کا شعار ہمیشہ جارحانہ رہا ہے اس لئے ہندوؤن کو اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کیلئے ہندو مہا سبھا کا ساتھ دینا چاہئے،

اگر اسلام دنیا کے لئے خطرہ ہوتا اور اس کا شعار جارحانہ ہوتا تو آج ہندوستان تہذیب و تمدن کے اس درجہ پر نہ ہوتا اور نہ اسلام کے خلاف زہر چکانی کیلئے ڈاکٹر کھرے کا وجود ہوتا، ان کے اسلاف یا اسلام قبول کر چکے ہوتے یا اس کے جارحانہ شعار کا شکار ہو گئے ہوتے، ان کا وجود خود ان کے دعوی کی تردید کیلئے کافی ہے، اسلام سرنگون کب تھا جو اب سر اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے وہ ہمیشہ سربلند رہا اور آئندہ بھی رہے گا، وہ ہندوستان کی چار دیواری مین محدود نہین بلکہ ساری دنیا مین پھیلا ہوا ہے، ڈاکٹر کھرے کہان کہان اس کا مقابلہ کرتے پھرین گے، ع پھونکون سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا،

اسلام نے پاکستان نہین قائم کرایا بلکہ وہ ڈاکٹر کھرے جیسے فرقہ پرستون کی ذہنیت کا نتیجہ ہے، ابھی دیکھئے یہ تنگدلی و تنگ نظری اور کیا گل کھلاتی ہے اور اگر اسلام ہی نے پاکستان قائم کرایا تو کیا برائی کی جب کہ خود ڈاکٹر کھرے ہندوازم کے نعرے کے زور سے ہندوستان مین ہندو حکومت قائم کرنا چاہتے ہین، ڈاکٹر کھرے جیسے لوگون کو تو اسلام کا ممنون ہونا چاہئے، اگر اسلام ہندوستان مین نہ ہوتا تو وہ کس بنیاد پر ہندو سبھا کی عمارت کھڑی کرتے، اس لئے فرقہ پرستون کو اسلام کا یہ احسان تو کم از کم ماننا ہی چاہئے، سب سے زیادہ قابل تعریف ہماری سیکولر حکومت ہے جس نے ڈاکٹر کھرے جیسے لوگون کو آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانون کے خلاف جو منہ مین آئے بکتے پھرین کیا اسی قسم کی آزادی ہندوستان کے مسلمانون کو بھی حاصل ہے؟

مردم شماری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملک کی آبادی کے متعلق صحیح اعداد و شمار فراہم ہو جائین لیکن ہندوستان مین جو تازہ مردم شماری ہوئی ہے اس مین حتی الامکان اس کے خلاف عمل کیا گیا ہے اور مسلمانون اور اردو بولنے والون کی تعداد گھٹانے کی کوشش کی گئی ہے اور اردو بولنے والون کی زبان عموماً ہندی لکھی گئی ہے اس کی اتنی شکایتین اخبارات مین شایع ہو چکی ہین کہ اس کے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہین، بلکہ بہت سے مقامات پر مسلمانون کی مردم شماری ہی نہین کی گئی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دار المصنفین جیسے اہم ادارہ کی جو ضلع کے صدر مقام مین ہے مردم شماری نہین ہوئی تھی اور اخبارات مین اس کی شکایت چھپنے کے بعد ۹ مارچ کو کی گئی اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ معمولی طبقہ اور دیہات کے مسلمانون کی مردم شماری مین کیا بے عنوانیان نہ ہوئی ہون گی.

مردم شماری کے عملہ نے مسلمانون اور اردو بولنے والون کی تعداد گھٹا کر اپنے نزدیک ہندو قوم اور ہندی زبان کی بڑی خدمت انجام دی لیکن اس کی نظر اس پہلو پر نہین گئی کہ اس سے مردم شماری ناقابل اعتبار ہو جائیگی یا گورنمنٹ پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہو جائیگی، یہ مسلم ہے کہ ہر مردم شماری مین آبادی کی تعداد کچھ نہ کچھ بڑھ جاتی ہے اور گذشتہ مردم شماری کے کاغذات اس کے شاہد ہین کہ ہر مردم شماری مین مسلمانون کی تعداد مین نمایان اضافہ ہوتا رہا ہے اور اردو بولنے والون کی تعداد ہندی بولنے والون کے مقابلہ مین زیادہ ہی تھی، اگر اس مردم شماری مین دونون کی تعداد غیر معمولی طور سے گھٹ گئی تو اس کے دو ہی نتیجے نکالے جا سکتے ہین، ایک یہ کہ مردم شماری غلط ہوئی ہے یا گذشتہ فسادات مین اتنے مسلمان مارے گئے یا ترک وطن پر مجبور ہوئے کہ ان کی تعداد اتنی گھٹ گئی، حالانکہ گورنمنٹ کے بیانات اس کے خلاف ہین اس لئے یا یہ بیانات غلط ہین یا وہ واقعات صحیح ہین اور ہر صورت مین گورنمنٹ پر بڑی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے لیکن مسلمانون کے معاملہ مین کسی کے سامنے جواب دہ نہین ہے اس لئے اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس کیون ہو، بہر حال اس مردم شماری نے ایک پرانے انگریز عہدہ دار کا یہ قول سچ کر دکھایا کہ ہندوستانیون مین اپنے ملک کی صحیح مردم شماری کرنے کی بھی اہمیت نہین ہے؛

سر آغا خان نے پاکستان کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ حکومت کی زبان عربی کو بنائے، عربی زبان کی اہمیت سے کس مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے کہ وہ ان کی مذہبی زبان ہے اور دنیا کے کسی حصہ کے مسلمانون

بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے مگر اس کی خدمت اور اس کو ترقی دینے کی دوسری صورتیں ہیں، حکومت کی زبان بنانے کی تجویز کسی حیثیت سے بھی صحیح نہیں ہے، اس کی تائید میں آغاخان نے جتنے دلائل دیئے ہیں سب نہایت لغو اور مہمل ہیں، حکومت کی زبان ہمیشہ وہی ہو سکتی ہے جو عام آبادی کی زبان ہو یا اس میں عام زبان بننے کی صلاحیت ہو، عربی کبھی بھی پاکستان کی عام زبان نہیں بن سکتی، وہاں ہزار میں پانچ آدمی بھی اس کے سمجھنے والے نہ نکلیں گے، اس کے مقابلہ میں اردو پنجاب کے تعلیم یافتہ طبقہ کی علمی و ادبی بلکہ ایک حد تک مادری اور مہاجرین کی جن کی بڑی تعداد ہے مادری زبان ہے اور پاکستان میں پنجاب اردو کا مرکز ہے، وہ سارے پاکستان میں سمجھی جاتی ہے اور اس کے ہر حصہ میں تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے، اردو میں اسلامی لٹریچر کا بھی بڑا ذخیرہ ہے بلکہ اس حیثیت سے عربی کے بعد اسی کا درجہ ہے اور اس لئے اس کی مذہبی حیثیت بھی کم اہم نہیں، اس لئے ہر حیثیت سے اردو ہی پاکستان کی حکومت کی زبان ہو سکتی ہے، اگر عربی کو حکومت کی زبان بنانے کی کوشش کی جائے گی تو نہ وہ حکومت کی زبان بن سکے گی اور نہ عوام کی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انگریزی اپنی جگہ پر قائم رہے گی جو غالباً آغاخان کا اصل منشا ہے، اس لئے یقین ہے کہ پاکستان اس معاملہ میں ہندوستان کی تقلید نہ کرے گا جہاں عام اور رائج زبان کو چھوڑ کر زبردستی نامانوس سنسکرتی ہندی مسلط کیجا رہی ہے،

البتہ عربی کو اسلامی ممالک کی بین الملی زبان بنایا جا سکتا ہے، یعنی اسلامی ممالک کی باہمی مراسلت اس میں کیجائے، اسلامی موتمروں میں تقریریں اور کارروائی عربی میں ہو، اس کے لئے عربی کی تعلیمی حیثیت کو بڑھانے کی ضرورت ہے جس سے عربی کے ماہر پیدا ہو سکیں بلکہ علمی و تعلیمی حیثیت سے عربی زبان کو ترقی دینا پاکستان کا فرض ہے اور ضرورت ہے کہ وہاں دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدرسۂ نظامیہ و سلطان المدارس جیسی عربی کی بڑی درسگاہیں قائم کیجائیں، یہی عربی کی خدمت کا صحیح طریقہ یہی ہے،

مقالات

داستانِ خلیل

بائبل سے قدیم ایک صحیفہ کی روایت

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے دو اہم واقعات ایسے مذکور ہیں جن کی بنیاد توراۃ کے متداول ترجموں میں نہیں ملتی لیکن

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ،

قرآن مجید بنو اسرائیل کو زیادہ حصہ ان باتوں کا سناتا ہے، جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں،

رجال توراۃ کے ہر قرآنی قصہ کی یقیناً ایک نہ ایک اسرائیلی بنیاد ہے، چونکہ قرآن مجید انبیاے سلف کے نوشتوں کی تصدیق کا مدعی ہے، اور چونکہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کام یہ بھی تھا کہ

يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ،

آپ چند پاکیزہ صحیفے سناتے تھے جن میں ٹھیک ٹھیک نوشتے ہیں،

اس لئے رجالِ توراۃ کے قرآنی قصوں کی اسرائیلی بنیادیں تلاش کرنا مفسرانہ فرائض میں داخل ہے،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قرآن مجید کے بیان کے مطابق سورج چاند، اور ایک تارے کے غروب سے اُن کے دیوتا نہ ہونے پر استدلال کیا تھا، اور اپنی قوم کے بتون کو توڑنے کی بنا پر اُنھین آگ مین ڈالا گیا تھا، ان مین سے اول الذکر قصہ کی بنیاد سے موجودہ توراۃ خالی ہے، ثانی الذکر قصہ کی توراتی بنیاد کو ترجمون کی لغزش نے کھو دیا ہے، اس لئے ان قصون کو عام طور پر قرآن مجید کا اضافہ قرار دیا جاتا ہے،

عرصہ گذرا یونیورسٹی لائبریری مدراس مین بزبانِ انگریزی تالمود کا ایک ملخص نظر سے گذرا تھا، اس کے بعض فقرون سے اس کا اندازہ ہوا تھا کہ تالمود مین حضرت ابراہیمؑ کے آگ مین ڈالے جانے کا مفصل قصہ ہوگا، مولوی مبین صاحب کیفی سے خبر ملی تھی کہ مولانا امین عباسی کے پاس تالمود کا عربی ترجمہ ہے، ۲۳ر نومبر ۵۰ء کو گورکھپور جانے کا اتفاق ہوا، ان سے تالمود کا نسخہ مانگا، اور غرض بتائی تو انھون نے کہا کہ میرے پاس تالمود کے بعض فقہی ابواب کا مختصر ملخص ہے، جو کتابون مین اس طرح دبا ہوا ہے کہ اس کو تلاش کرنا مشکل ہے، اس مین یہ قصہ نہین ہے، پھر انھون نے تلاش کر کے حضرت مولینا عنایت رسول عباسی علیہ الرحمہ کی ایک تحریر اور ایک مطبوعہ نسخہ سفر بیاشار کا عنایت کیا، مولانا عنایت رسول عباسی علیہ الرحمہ کی تصنیفات کو اُن کے ورثہ نے چھپا کر گمنام کر دیا ہے، مگر خاص خاص اہلِ علم جانتے ہین کہ وہ کس پایہ کے بزرگ تھے، اس موقع پر اُن کی بابت اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ مولانا شبلی نعمانی علیہ الرحمہ کے استاذ الاستاذ اور عبرانی زبان مین سرسید کے معلم تھے، مولانا نے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا آگ مین ڈالا جانا پھر خدا کی مہربانی سے اُن کا آگ سے مامون رہنا نہ صرف حدیث و قرآن سے بلکہ توراۃ سے بھی ثابت ہے، یہ تحریر نقل کر کے مین نے مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب کے حوالہ کر دی ہے، سفر بیاشار مین دونون قصے ذرا ذرا فرق کے ساتھ قرآن پاک کے مطابق درج ہین،

سفر بیاشار | سفر بیاشار کی بابت مولانا عنایت رسولؒ نے بشریٰ مین تحریر فرمایا ہے کہ

"یہ ایک کتاب ہے جو زمانہ بخت نصر سے پہلے تالیف ہوئی، اور یہود مین بہت معتبر ہے،

بائبل کی چھٹی کتاب (یوشع ۱۰-۱۲) مین اس کتاب کا حوالہ آیا ہے، اس لئے یہ کتاب سفر یوشع سے قدیم ہے، اور سفر یوشع کی بابت محققین کا اتفاق ہے کہ اس کا زمانہ تالیف حضرت موسیٰ کی طرف منسوب پانچ کتابون سے زیادہ قدیم ہے، اس لئے اس کتاب کا پایہ اعتماد بائبل کے متداول نسخون سے زیادہ ہونا چاہئے، بائبل کے صحیفون مین ایسی باتین بھی ملتی ہین جن سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر صحیفے بائبل کے بخت نصر کے بعد ایرانی خسروون کے زمانہ مین مرتب کئے گئے، اس کتاب کے ورق (۱۳۷) کے بائین صفحہ کی پہلی اور دوسری سطر مین ہے،

عَلْ کِین هَیتَر جبرون یکالیب بِنْ	اس بنا پر جبرون پر کالب بن حفونہ اور اسکی
حفونہ وَلِبنیو لنحله عَدْ هَیّوم هزه	اولاد کا قبضہ آج کے دن تک ہے،

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کا زمانہ تالیف بخت نصر کے زمانہ سے بہت پہلے گذرا ہے، یہ کتاب ان ماخذون مین سے ایک ہے جن کی مدد سے موجودہ بائبل کا عہد نامہ عتیق تیار ہوا ہے، اس لئے یہ کتاب خاص توجہ کی حقدار ہے اور اسی سے حضرت ابراہیمؑ کے ان دونون قصون کو اختصار کے ساتھ ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہین،

نمرود | حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جس بادشاہ نے خدا کے بارے مین جدال کیا تھا، اور جس کے آئین کے مطابق اُن کو آگ مین ڈالا گیا تھا، اس کا نام ہمارے مفسرین کی بولی مین نمرود ہے، سفر تکوین مین ایک نمرود بن کوش بن حام کا ذکر ہے، جسے حضرت ابراہیمؑ کے مورثِ اعلیٰ عامر بن ارفخشذ بن سام کا ہم پشت ہونا چاہیے، یہ شخص حضرت ابراہیمؑ کا معاصر نہین ہو سکتا، اس لئے اکثر لوگ قصہ ابراہیم مین نمرود کے تذکرہ کو محض قصہ کوتاہ کی بے اصل درازی قرار دیتے ہین، سفر بیاشار (کتاب صادق) کا مؤلف اسی نمرود بن کوش بن حام کو حضرت ابراہیم کا معاصر بادشاہ قرار دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اس کے باپ نے تو اس کا نام نمرود ہی رکھا تھا، مگر

ویقرا و کل عبدی نمرود وشار یو	مگر نمرود کے سارے نوکر اور اس کے امراے

اِت شمواہ امرافیل (ورق ۱۴ص سطر ۲)	امرافیل کہتے تھے،

اس کتاب کا مولف تکوین ۱۰: ۸ کے نمرود اور تکوین ۱۴: ۱ کے امرافیل کو ایک ہی شخص کے دو نام خیال کرتا ہے، نمرود اس کا نجی نام تھا، اور امرافیل اس کا سرکاری لقب تھا، اس کے امرافیل کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ

نقلو کل شاریو وکل انشیوبنین	اس کے تمام امرا و عوام نے تعمیر منارہ کے
همجدل ال وعل اُدود ویتو،	سبب اس کی حکومت مان لی،

اس کے نمرود کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ

دلیقراوات شمو نمرود کا م بعتِ	لوگون نے یہ بتانے کے لئے اس کا نام
ھمی ھجلو ابنی ھادم لمرود ولفشع	نمرود رکھا کہ بنو آدم دوبارہ اس وقت
بالیو ھرعود،	سے خدا کے خلاف تمرد و سرکشی سے کام
(ورق ۷ص اسطر ا و ۲)	لینے لگے،
وتھی کل ھارص شفہ احت دد	(ان دنون) ساری زمین ہم زبان اور
برمیاحد یعاک لا ہلک نمرود	ہم کلمہ تھی، مگر نمرود خدا کی راہون پر نہین
بدرکی یھوہ دیرشع مکل ھادم	چلا، اور وہ ان تمام انسانون سے برا
ھایولفینو موعی بیمبول عد ھیتوم	تھا، جو عہد طوفان سے اس وقت
ھھو (ورق ۷ص ۲ سطر ۱ و ۱۰)	تک گذرے ہین،

اس کتاب کے مولف کے بیان کے مطابق اس زمانہ مین جو بھی گمراہی رائج ہوئی، سب کا سرچشمہ یہ تھا کہ لوگون نے نمرود کو اپنا بادشاہ تسلیم کرکے اس کی روش کو قبول کیا،

تکوین کے اندر مذکور نمرود کو حضرت ابراہیم کے معاصر نمرود سے تطبیق دینا قرین قیاس نہین ہے،

ع اشتراک لفظ دایم رہزن ست

مشہور مقولہ ہے، اشتراکِ لفظ نے عابر کے معاصر نمرود اور حضرت ابراہیم کے معاصر نمرود کو ایک شخص بنا دیا، اس وہم کی اصلاح کے بعد سفر بیاشار کے مطابق حضرت ابراہیم کا معاصر بادشاہ جس کا ذکر قرآن مین آیا ہے امرافیل تھا، جسے اُس کے مخالفین اور موحدین نمرود یعنی خدا کا باغی کہا کرتے تھے،

تارح یا آزر

حضرت ابراہیمؑ کے قصہ مین بادشاہ وقت کے علاوہ سب سے اہم حیثیت حضرت ابراہیمؑ کے باپ کی ہے، جن کا توراتی نام تارح اور قرآنی نام آزر ہے، اس کتاب کا مولف اُن کی بابت بیان کرتا ہے، کہ نمرود کو جب بادشاہت نصیب ہوئی، تو اُس نے بہت سے امرا و قضاۃ مقرر کئے،

ویشیم شار مناوات تارح بن	اور تارح بن نخور کو اپنی فوج کا افسر مقرر
نخور یجن لھو وینشا ھومعل کل	کیا، اور اس کا رتبہ اپنے تمام دیگر سردارون
ھشاری اشر لو	سے بلند کیا، (ورق ۹ص ۲ سطر ۷)

تارح بن نخور نمرود کی فوج کا قائد اعظم ہونے کے علاوہ اس کا مصاحب بھی تھا، اور تارح وغیرہ اس کے تمام خدام اور مصاحبین

ھولک اخرِی ور کی نمرود لعبود	نمرود کی روش پر چلتے تھے، کاٹھ اور پتھر کے خداؤن
الوھیم اخریم عص وابن	کو پوجتے تھے،

حضرت ابراہیم کے باپ اور اُن کی قوم کے بت پرست ہونے کا ذکر سفر تکوین مین نہین ہے، لیکن سفر یوشع مین ہے، جس کا مولف سفر بیاشار سے مستفید ہو چکا تھا،

حضرت ابراہیم

نمرود کے رئیس عساکر تارح نے کرنبو کی بیٹی امت لئی سے نکاح کیا، جن کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے، چونکہ انھی دنون یہ واقعہ ہوا کہ نمرود نے تارح کو عزت بخشی، اور اس کا مرتبہ اپنے تمام رئیسون سے بلند کیا، اس لئے تارح نے اپنے فرزند کا نام ابرام رکھا، جس کا ترجمہ "عزت کا باپ" یا

موجب عظمت واحترام ہے، آیندہ چل کر خدا نے حضرت ابراہیم کو حکم دیکر ان کا یہ نام بدل دیا،

حضرت ابراہیم کی ولادت کی خوشی مین تارح نے ایک بڑی ضیافت کی، جس مین تمام امرائے نمرود شریک ہوئے، جس وقت ضیافت خانہ سے حکیمان بابل باہر نکلے تو انھون نے یہ عجیب ماجرا دیکھا کہ آسمان پر ایک کوکب نمودار ہوا، جس نے چار کوکبون کو جو آسمان کے چار کنارون پر نمودار ہوئے تھے نگل گیا، اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس واقعہ کی علت اس لڑکے کی پیدایش کے سوا کچھ اور نہین ہو سکتی، یہ لڑکا ایک عظیم ہستی ہوگا، پھر باہم مشورہ کرکے یہ دانش مند لوگ بارگاہ نمرود مین پہنچے، اور اُسے رائے دی کہ یہ لڑکا جیتا رہا تو خیر نہین ہے، اس نے نمرود نے تارح کو بلا کر حکم دیا کہ اس لڑکے کو لے آؤ کہ اُسے قتل کر دیا جائے، تارح نے پہلے تو بہت کچھ حیلہ حوالہ کیا، آخر مین راضی ہو گیا، مگر نمرود کی خدمت مین حضرت ابراہیم کو لانے کے بجائے اپنے ایک غلام زادہ کو پیش کیا، جسے نمرود نے فرزند تارح خیال کرکے قتل کر دیا، (ورق ۷ و ۸ و یا لحقہا) قرآن مجید اس قصہ کی نہ تصدیق کرتا ہے، اور نہ تکذیب، یہ صحف سابقہ کی ان باتون مین سے ہے، جن کی بابت خدا کے آخری رسول نے فرمایا کہ اہل کتاب کی عجیب روایتین سنو تو لا تصدقوہ ولا تکذبوہ اُسے نہ تو سچ ہی مان لو اور نہ قطعاً جھٹلا ہی دو،

تعلیم شریعت نوح

اس واقعہ کے بعد تارح نے حضرت ابراہیم اور اُن کی ماں امت لئی کو ایک غار مین چھپا دیا، کچھ دنون کے بعد حضرت ابراہیم اس غار سے باہر نکلے، اور نوح اور سام کے گھر مین جا کر اُن کے ساتھ رہنے لگے،

للمود ات موسر یہوہ وات درکیو	تاکہ خدا کے دین و مسلک کی تعلیم حاصل
وایش لا یدع ات ابراھو ویشرت	کرین، مگر کوئی ابراہیم کو نہین جانتا
ابرام ات نوح وات شیم بنویومیم	تھا، اور نوح و سام کے ساتھ ابراہیم
ربیم دیھی ابرام بتبیت نوح شلشیم	نے بہت دن سکونت کی وہ ۳۹ برس

وتشع شنیم،	بیت نوح مین رہے، (ورق ۱۱)

اس مؤلف کے بیان کے مطابق نوح اب تک زندہ تھے، یہ قرین قیاس نہین ہے، قرآن مجید کے مطابق حضرت ابراہیم کا زمانہ حضرت نوح کے بعد کئی صدیان گذرنے کے بعد آیا، لیکن یہ بات ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم نے ایک عرصہ تک بیت نوح نام کسی تربیت گاہ مین ۳۹ برس گذارے ہون، قرآن پاک مین خدا نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ

اِنَّ مِنْ شِیعَتِہٖ لَاِبْرَاھِیْمَ	ابراہیم یقیناً نوح کی جماعت سے تھے،

زمانۂ ابراہیم علیہ السلام مین دو گروہ تھے، ایک شیعۂ نوح کہلاتا تھا، ایک شیعۂ نمرود، تارح یا آذر کا مسلک وہ تھا جو نمرود کا تھا،

ویدع ابرام ات یھو مبین شلش	مگر ابراہیم نے تین برس کی عمر سے خدا
شنیم ویلک بدرکی یھوہ عد یوم	کو جانا، اور اپنی موت کے وقت تک
موتو کاشر ھو دھو نوح وشم	نوح و سام کی تعلیم کے موافق خدا کی
بنو (ورق ۱۱)	راہ پر چلتے رہے،

برخلاف اس کے اس زمانہ کے عام لوگ اور نمرود اور خدام نمرود اور تارح کاٹھ اور پتھر کے بت پوجتے تھے،

حجت ابراہیم

حضرت ابراہیم کو خدا سے قلب سامع اور عقل و خرد عطا کی، چنانچہ ایک روز

ویرا ابرام ات ھشمش بارض	ابراہیم نے زمین پر دھوپ دیکھی، اور
ویامر ابراھام لبوک علے ھشمش	ابراہیم نے اپنے دل مین کہا، کہ "ہان یہی
ھنرات اشر زرحہ علی کل ھارص	سورج جو کہ ساری زمین کو روشن کر رہا
ھوا الوھیم ولوا عبودھا ؎	ہے خداوند ہے اور مین اس کی عبادت

یعبود ابراہام اِتْ ہشمش ہیوم
ھھوا دتیفلل بیّوم ھھوا) وبھی
بعرب وبتوء ہشمش کمشفطو
یامر ابرام بلبوّ اکْ عتہ این زہ ہا
اِلُوہ دِیَن بَرا ابرام عود بلبو جی ھوا
اشر عشہ اِتْ ہشمیم و اِتْ
ھارص وھی ابشی برا کُل ھادم
ہزہ علی ھارص ایفہ ھُو وبحشك
علا یو ھلیلہ وبشّا عینیو یمہ
وصفونہ وعیہ ومزرحہ و
ھنے کُل ہشمش شقطہ معل
ھارص ویحشك ھیوم ویرا
ابرامات ھیاریح وکوکبیم
لفنیو ویامر اک عتہ زہ ھالوہ
اشر برا کُل ھارص ذکُل ھادم
وھنی عبد یوالی ھم لفنیو (و
یعبود ابرامات ھیاریح وتیفلل
الا یوکل ھلیلہ ھھوا) وبھی ببقر
دیار ھیوم ونزرح ہشمش عل

کردن گا (اور اس نے اُس روز دن بھر
سورج کو پوجا) پھر شام ہوئی، اور دستور
کے مطابق سورج ڈوب گیا، تو ابراہیم
نے اپنے دل میں کہا اب تو یہ خدا نہیں
ہوسکتا، اور دوبارہ اپنے جی میں سوال
کیا، آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور
تمام انسانوں کا خالق کون ہوسکتا ہے
کیا ہے، پھر رات کی تاریکی آئی، اور
اُس نے دائیں بائیں پیچھے اور پورب نظر
کی، اور کیا دیکھتے ہیں کہ سورج زمین کے
اوپر سے نیچے گر گیا، اور وہ دن سیاہ فام
ہو گیا، اور ابراہیم نے چاند اور ستاروں
کو اپنے سامنے دیکھا، اور کہنے لگا، اب
تو یہی ہے وہ خداوند جس نے ساری
زمین اور سارے انسانوں کو پیدا کیا
اور یہ رب اس کے چاکر جو اُس کے آگے
ہیں، (اور ابراہیم نے رات بھر چاند کو پوجا
اور سجدہ کیا،) پھر تڑکا ہوا، اور دن
چمکا اور سورج زمین کے اوپر دستور کے

ھارص کمشفط ویرا ابرامات
کُل ھدّ بریمہا لی اشر ایھوہ
الوھیم بارص ویامر ابرام بلبو
اکْ عتہ این الی الوھوت اشر
عشواك ھارص وکل ھادم
کی ام عبدی الوھیم ھمہ و
یشب ابرام ببیت نوح ذبلع
ابرامات یھوہ وات درکیو
وبھی ابرام عوبد ات یھوہ کل
یومی حییوہ، (ورق ۹۱۱-۹۱۲)

مطابق نمودار ہوا، اور ابراہیم نے یہ سارا
ماجرا دیکھا، جو خدا نے دنیا میں اسے دکھایا
اور ابراہیم اپنے دل میں کہنے لگا، اب
تو یہ وہ دیوتا نہیں ہوسکتے، جنھوں نے
زمین اور سب انسانوں کو بنایا، بلکہ یہ
خدا کے بندے ہیں، اور ابراہیم نے بیت
نوح میں قیام کیا، اور خدا کو اور اس کی
راہوں کو جانا، اور ابراہیم اپنی زندگی
بھر خدا کا پرستار رہا،

اس بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی شریعت سیکھنے کے لئے بیت نوح کی طرف اس واقعہ کے بعد رُخ کیا، یہ بیان اس فرق کے ساتھ قرآن کے مطابق ہے کہ

(الف) قرآن مجید ان فقروں کی تصدیق نہیں کرتا جن کو میں نے توسین میں لکھا ہے،

(ب) قرآن مجید کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کا ذہن پہلے ستارہ پھر قمر پھر نجوم کی طرف متوجہ ہوا،

(ج) سفر بیاشار کے مطابق پہلا واقعہ جس نے حضرت ابراہیمؑ کو خدا شناس بنایا یہی تھا، اور اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر تین برس کی تھی، قرآن مجید اس واقعہ کو ایک حجت بتاتا ہے، جو خدا نے اُن کو اُن کی قوم کی فہمایش کے لئے عطا کی تھی،

بت شکنی اس قصہ کے بعد سفر بیاشار کے مؤلف نے بابل کے اندر مذکورہ منارہ بابل کی تعمیر اور لوگوں کی بولی میں اختلاف اور تفرق اقوام کی کہانی پھیلا کر لکھی ہے، پھر یہ واقعہ لکھا ہے کہ

ویھی بشنة ھجمشیم شنہ یحیی	اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر جب ۵۰ برس
ابرام بن تارح ویصا ابرام صبیت	کی ہوئی تو وہ حضرت نوحؑ کے گھر سے
نوح ویلک بیت ابیو	اپنے باپ کے گھر چلے آئے ....
ویبوء ابرام بیت ابیو ویرات	.... اور
الوھی ابیو شنیم عشر الوھوت	اپنے باپ کے گھر پہنچ کر دیکھتے کیا ہیں کہ
عومد یعن کلام بیت ابیو	اپنے اپنے ہیکل میں بارہ دیوتا کھڑے
بھیکلیھم ..... یامر ابرام	ہیں .... اور
لثلثت یوما اشبر کلام،	ابراہیم نے کہا .... تین یوم
(ورق ۱۴)	بعد ان تمام کو توڑ دوں گا،

سفر ہیاشار کے بیان کے مطابق بت شکنی کا عہد حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جی سے تنہائی میں کیا تھا لیکن قرآن مجید کے بیان کے مطابق اپنی قوم سے بحث کے دوران میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا کہ

لاکیدن اصنامکم	میں تمہارے بتوں کو گزند پہنچاؤں گا،

آگے چل کر یہ مؤلف خبر دیتا ہے کہ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان بتائیے کہ خدا کہاں ہے، جس نے زمین و آسمان کو خلق فرمایا اس سوال پر:

ویبا تارح ات ابرام بنوال ھحدر ھفنیمیت	تارح ابراہیم کو مندر کے اندر مندر میں لے آیا
ال ھحدر - ویرا ابرام وھنی کل ھحدر	اور ابراہیم نے دیکھا سارا مندر کاٹھ اور پتھر
ملا الوھوت عص وابن شنیم عشر	کے بڑے بڑے بارہ اور چھوٹے چھوٹے
ملمیم حب ولیم داء مر یحیر قطو تیم عمھم	بے شمار بتوں سے بھرا ہوا ہے اور تارح
ابن سشفر ویامر تارح ال بنو ھنی الہ	نے اپنے بیٹے سے کہا دیکھ یہ ہیں وہ ہستیاں

ھمہ اشر عشوات کل اشر ایتا	جنھوں نے ہر وہ چیز بنائی جس کو تو نے
بکل ھارص وھمہ اشر بوأوتی	دنیا میں دیکھی، اور میرے اور تیرے اور
واوتک وکل ھادم بارص (ورق ۱۵)	سب انسانوں کے خالق یہ ہیں،

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ماں سے کہا کہ انھوں نے دیوتاؤں کے لئے بھوگ تیار کر دیا، اور حضرت ابراہیمؑ وہ بھوگ لے کر آئے،

ویجش الیھم لاکول وتارح ابیو	اور دیوتاؤں کے سامنے بھوگ کو رکھا
لا یدع،	مگر تارح کو خبر نہ تھی،

اوس روز حضرت ابراہیمؑ دن بھر بت کدہ میں بیٹھے دیکھتے رہے، مگر کسی دیوتا نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ شاید وجہ یہ ہے کہ

ھمطعمیم اشر عشیتی	میں نے جو بھوگ پروسا ہے، وہ ان کے
لا ھطیب لعنھم،	دیکھنے میں بہتر نہیں ہے،

اس لئے دوسرے دن پھر انھوں نے دیو بھوج کا انتظام کیا آج بھی ان دیوتاؤں نے کچھ نہ کھایا

ویرا ابرام اوتام وھنی این قول لھم	اور ابراہیمؑ نے ان کو دیکھا بولتے نہیں تھے
واین قشب واین شولح ید مھم ال	نہیں، بھوگ کی طرف ان میں سے کوئی اپنا
ھمطعمیم لاکول - وروح الوھیم	ہاتھ نہیں بڑھاتا، اسی دن شام کے وقت
لبشہ ات ابرام احری کین بیوم ھھو	ابراہیم کو خدا کی روح نے ڈھانپ لیا جب کہ
بعرب بتوک ھبیت ھھوا ولقرا	وہ اسی مندر میں تھے، اور آواز کے ساتھ بولے
ویامر اوی وھوی علی، الی وعلی کل	افسوس ہے افسوس ہے میرے باپ پر اور
ھدور ا ھرع ھزہ، اشر لطو لبھم	اس پوری نسل بد پر جو کہ متحد ہو کر اہل کے

یعد احری ھھبل ویھبلو	پیرو ہین، ان جیسے کاٹھ اور پتھر کے دیوتاؤن
الیلم کالی عص و ابن اشر لایاکلون	کو پوجتے ہین، جو نہ کھاتے، نہ سانس لیتے
ولا یریحون و لا یشمعو ولا یدبرو	نہ سنتے، اور نہ بولتے ہین، منہ رکھتے ہین، مگر
فہ لھم ولا یدبرو عینیم لھم	باتین نہین کرتے، آنکھین رکھتے ہین، مگر دیکھتے
ولا یھلکو کموھم یھیو کل عوشیھم	نہین، کان والے ہین، مگر سنتے نہین، ہاتھ
وکل اشر بوطح بھم وکل اشر	ہین جن کو کھانے کے لئے ہلاتے نہین، پاؤن
یعل ھم ولشحوالھم	ہین مگر چلتے نہین، ان ہی جیسے وہ بھی ہین
	جنھون نے ان کو بنایا، اُن کی تعظیم کی، انکو
	پوجا، اور اُن کو سجدے کئے،

یہ کہکر حضرت ابراہیمؑ اٹھے، اور اپنے ہاتھ مین بسولہ لے کر بتون کو توڑنے لگے، تمام بتون کو توڑکر بسولہ بڑے بُت کے کاندھے پر رکھدیا، اور مندر سے نکل گئے، جس وقت وہ مندر سے نکلے جارہے تھے، اسی وقت مندر کے اندر جناب تارح داخل ہوئے، اور بتون کا یہ حال دیکھ کر نہایت برہم ہو کر جلدی سے حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچ کر بڑی سختی سے باز پرس کی، کہ یہ تونے کیا کردیا، حضرت ابراہیمؑ نے سفر بیاشار کے بیان کے مطابق یہ جواب دیا، کہ واقعہ یہ ہوا کہ مین نے جب ان دیوتاؤن کے سامنے ان کا بھوج رکھا تو سب نے تیزی سے اپنے ہاتھ بڑھائے، تاکہ اُسے کھائین، بڑے مہادیو نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا، تو آپس مین جھگڑا ہو گیا، اور بڑے دیوتا نے چھوٹے دیوتاؤن کو اپنے بسولون سے توڑدیا، (ورق ۱۶)

قرآن کے بیان اور اس مین یہ فرق ہے کہ سفر بیاشار کے مطابق یہ ماجرا ایک باپ اور اس کے بیٹے کا گھریلو قصہ تھا، قرآن مجید کے بیان کے مطابق گھریلو قصہ نہ تھا، قرآن مجید اُس کی تصدیق نہین کرتا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بتون کی ہاتھا پائی کا فرضی افسانہ گھر کے باپ کو یا قوم کو سنایا، بلکہ وہ یہ کہتا ہے

کہ انھون نے کہا

بل فعلہٗ کبیرھم ھٰذا فاسئلوھم اِن	بلکہ یہ کام اُن کے بڑے کا ہے، اگر وہ
کانوا ینطقون،	بول سکتے ہون تو انھی سے پوچھ لو،

یہ ایک شرم دلانے والا فقرہ تھا، اس کا مطلب یہ نہین تھا کہ بڑے بُت نے چھوٹے بتون کو توڑا، بلکہ مطلب یہ تھا کہ یہ تمھارے دیوتا جس قدر بے بس و بے چارہ ہین، اس کا اس واقعہ سے اندازہ لگاؤ،

آتش نمرود — سفر بیاشار کے مطابق اس ہولناک ماجرا کی خبر خود تارح نے جاکر نمرود کو دی، اور درخواست کی کہ میرے فرزند کو بلاکر اُس کی گوشمالی فرمادیجئے، نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو بلاکر حقیقت پوچھی تو بتون کی شکست کے بارے مین انھون نے وہی جواب دیا، جو اپنے باپ کو دے چکے تھے، نمرود نے کہا تم غلط کہتے ہو،

ھَیِّش بھم کح لدبر ولاکول ولعوت	بھلا ان مین بولنے کی، کھانے کی، اور جو کچھ
اشر دبرتا،	تم نے کہا اُسے کرنے کی طاقت بھی ہے،

حضرت ابراہیمؑ نے کہا پھر ان بے بسون کی پرستش کیون کی جاتی ہے، اس خدا کی بندگی کیون نہین کیجاتی جس نے تم کو پیدا کیا، اور جس کے ہاتھ مین مارڈالنے اور زندہ رکھنے کو تمھاری جانین ہین، نیز فرمایا،

ھلا یدعتا ام لا شمعتا کی لحتہ	کیا تجھے علم نہین یا تو نے سنا نہین کہ اسی
ھمزکا ھرع اشر التم عوشیم بوحطا	قسم کے اعمال کی بنا پر قدم کے زمانہ مین ہمارے
والبوتینو مینوحی قدھروبیا الوھی	اسلاف خطا کار ہوئے، اور خداوند عالم
کل ھعلولحوات جی ھمبول (ورق ۱۶)	طوفان کا پانی لایا تھا،

اس سوال وجواب کے بعد چند دن گذرے،

ویشلح ھملک ویقبصوات کل	اور بادشاہ نے اپنے تمام امراء کو اور صوبون

۱؎ حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے دیش کا نام،

هشار یوا شر لملک وکل شاری	کے حاکمون اور دانشمندون کو اکٹھا لیا
هحن ینوت وهجا کامیو،	

اور اُن سے فتوی پوچھا کہ بن تارح کو کیا سزا دینی چاہئے،

وَیعنو کلام ازّ همك ویامرد	اور سب بولے اور بادشاہ نے کہا کہ جب
ایش اشر یقلل ات هملك یتلل	کسی نے بادشاہ کی توہین کی اُسے
هعص واولم یعبور اشر عشه	کاٹھ پر لٹکا دیا جائے، اور اسے جلاوطنی
ات کل هد برِیم هالی اشرد	کی سزا دی جائے، جس نے یہ سب کام کئے
وبیزه اب الوهینو، باش تشرت	اور ہمارے دیوتاؤن کو توڑا، اُسے
کی کین همشفط غل هدبرهره	آگ سے جلا دیا جائے، کیونکہ اس گناہ
(ورق یز)	کی یہی سزا ہے،
اِم عل هملک طُوب لعشُوتاتُ	اگر بادشاہ اس بات کو کرنے پر راضی
هدّ برهره یشلح نا ات عبدیو	ہے تو اپنے چاکرون کو روانہ کیے اُور
ویبحروا تِ کبشان هَلبنیم اشر لک	وہ تین دنون تک رات دن اینٹون
شلشه یومیم لیله ویوم واخر	کے اس بھٹے کو جلائین، جو آپ کا ہے، ہم
نشلیک اِتّ هایش هوابو	ہم اس انسان کو اس مین ڈال دین،

بادشاہ نے اس سزا کو منظور کیا، اور حضرت ابراہیمؑ کو سزا کے لئے لایا گیا، آپ کی صورت دیکھ کر نمرود
نے شور مچایا کہ یہ تو وہی لڑکا ہے جس کی پیدائش کے وقت ایک کوکب نے چار کوکبون کو نگل لیا تھا
کیسے آج تک بچا رہا، یقیناً اس کی بجائے کوئی اور لڑکا قتل کیا گیا تھا، نمرود نے تارح سے سخت باز پرس
کی، اس وقت مجبوراً تارح نے اقرار کیا کہ محبت پدری سے مجبور ہو کر اپنے بڑے بیٹے ہاران (والد لوط علیہ السلام)

کے کہنے سے مین نے اپنے بیٹے کی بجائے ایک غلام زادہ کو قتل کرا دیا تھا،

وَیامُر هملت اِل تارح هاران بنک	اور بادشاہ نے تارح سے کہا تیرا بیٹا
اشر یعصات هدّ برهره یمُوت	ہاران بھی جس نے تجھے یہ رائے دی
باش عم ابرام لی مشفط مُوت	ابراہیم کے ساتھ آگ مین مرے گا، کیونکہ
علا یو علی اشر مرات نی هملك	اس پر بھی موت کا فتوی ہے، اسلئے کہ ایسی
لعشوت هدّ برهره،	بات کر کے اس نے بادشاہ سے سرتابی کی،

اس فیصلہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بڑے بھائی ہاران والد لوط علیہ السلام دونون
کو آگ کی بھٹی مین ڈال دیا گیا، حضرت ابراہیمؑ کے ایمان کی بدولت ان کا خدا ان کے ساتھ تھا، مگر ہاران کا
خدا پر ایمان کامل نہ تھا، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے آگ مین ڈالے جانے کا فیصلہ سُن کر ہاران نے اپنے دل
مین کہا تھا کہ

ام یجبر ابرام مِن هملك وهلکتی	اگر بادشاہ کے مقابل ابراہیم غالب
امریو وام یجبر هملك علا یو و	رہین گے، تو مین ان کے پیچھے چلون گا،
هلکتی ام ری هملك	اور اگر بادشاہ غالب رہے گا، تو اس
(ورق لیز)	کے پیچھے چلون گا،

اس بنا پر خدا نے ہاران کے ساتھ کوئی رعایت نہین کی،

ولیقحو عبدی هملك اِت ابرام واِتَ	بندگانِ شاہی نے ابراہیم اور ہاران
هاران .... وشلیکوادتام	دونون کو لیا، ...... اور اکٹھے دونون
یحد ال هکبشان	کو بھٹی مین ڈال دیا،

آگ نے حضرت ابراہیم کو کچھ گزند نہین پہنچایا،

وهاران نهشلیك او تومت	مگر ہاران آگ مین پڑتے ہی مرگیا،"
باش وینرہت وبھی لافرلی	جل گیا، اور راکھ ہوگیا، کیونکہ اس کا
لاهابالبیو شلوات یهوکا".	دل خدا سے مطمئن نہ تھا، اور ہاران
.... وهاران بن شمونیو	کسدیون کے اور مین مرتے وقت ۸۲
سنه وشتیم شنه بموتو باور کسدیم	برس کا تھا،

سفر یاشار کے مطابق یہ واقعہ شہر بابل کا ہے، جہان نمرود کا پایۂ تخت اور تارح کا صدر (منذر) تھا، ہاران کی موت شہر بابل مین واقع ہوئی "اور کسدیم" کو جس کا ذکر سفر تکوین مین بھی ہے، عام طور پر محققین بائبل نے بابل کے علاوہ ایک دوسرے شہر کا نام قرار دیا ہے، یہ قصہ ہم کو بتاتا ہے اور کسدیم سے جو شہر مراد ہو، اس کا محل وقوع شہر بابل مین تھا، آگے چل کر اس مضمون کا ایک صریح فقرہ ملے گا،

سفر یاشار کا بیان ہے کہ جو لوگ حضرت ابراہیمؑ کو اور اُن کے بھائی ہاران کو آگ مین ڈالنے گئے تھے، انھیں بھی آگ کے شعلون نے لپک کر بھٹی مین کھینچ لیا، اور وہ بھی جل کر خاکستر ہوگئے، اور ابراہیمؑ تین دن اور تین رات تک آگ کے اندر چلتے پھرتے ہوئے لوگون کو نظر آتے رہے، لوگون نے جاکر اس کی اطلاع نمرود کو دی، اوس نے اُن کے کہنے پر یقین نہین کیا اور دوسرے سردارون کو بھیجا، انھون نے بھی لوٹ کر اس واقعہ کی تصدیق کی تو نمرود خود گیا، اور بھٹی کے پاس جاکر بچشم خود یہ ماجرا دیکھا، اور یہ سمجھ کر کہ آگ اپنے فعل سے محروم ہو چکی ہے، چند نوکرون کو حکم دیا کہ وہ بھٹی مین اتر کر حضرت ابراہیمؑ کو اٹھا لائین، ان خدام کا قریب پہنچنا تھا کہ شعلے لپکے اور انھین آگ مین لپیٹ لے گئے، تب نمرود نے کہا،

صا ابراهم عبد هالوهیم اشر	اے ابراہیم خداوند آسمان کے
بشمیم متکوف هاش وباهنی	بندے آگ کے بیچ سے نکل اور یہان
لفنی	میرے پاس آجا،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کا یہ حکم سن کر آگ مین سے نکلے، اور اس کے پاس چلے آئے، نمرود نے پوچھا کہ اے ابراہیمؑ تم آگ مین کس وجہ سے نہین جلے فرمایا خدائے قادر کی مہربانی نے مجھے آگ سے بچا لیا، اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ نے خدائے واحد کی پرستش کی طرف لوگون کو دعوت دی، اور لوگ حیران و ششدر ہو کر رہ گئے،

وابراهم یصا مات هملك بشلوهر	اور ابراہیم بادشاہ کے حضور
ویلکو اهیو انوشیم ربیم عبدی	سلامتی سے نکلے، بندگانِ شاہی
هملك ویدبقو بو لسلش ماوت	کی بڑی تعداد نے اُن کا اتباع کیا،
الیش،	اُن کی تعداد ۳۰۰ تھی،

اس واقعہ کے کچھ دنون کے بعد نمرود نے ایک خواب دیکھا، جس کی تعبیر حکیمون نے یہ بتائی کہ چند دنون کے بعد ابراہیمؑ اور اُس کے لوگ بادشاہ سے جنگ کرین گے، اس کی تمام فوجون کو شکست دے کر خود بادشاہ کو قتل کردین گے، اس لئے ابراہیمؑ کو زندہ رہنے دینا خطرہ سے خالی نہین ہے، اگر ابراہیمؑ زندہ رہین گے، تو نہ آپ رہین گے، نہ آپ کی حکومت رہے گی، یہ سن کر نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو قتل کر دینے کی غرض سے بلوایا، الیعزر نے اس بات کی اطلاع پاکر حضرت ابراہیمؑ کو خبردار کر دیا، آپ اپنے خاندان سمیت کچھ دنون بیت نوح مین چھپے رہے، چند دنون کے بعد،

ویقح تارح ات ابرام بنو وات	اور تارح نے اپنے فرزند ابراہیم
لوط بن هاران بن بنو وات	کو لیا، اور اپنے پوتے لوط بن ہاران
سرای کلاتو اشت ابرام	کو، اور اپنی بہو سارہ زوجۂ ابراہیمؑ
بنو وات کل نفشوت بیتو و	اپنے گھرانے کے سب لوگون کو اور ساتھ

لصادا قتو مثیود گسد یعو بلیل		لے کر، اور کسدیم سے جو بابل مین
للبیت ارصہ کنعان و بئو وعد		سے نکل کر کنعان کو چلا، اور حاران
حادان،	(ورق یط)	تک آیا،

قرآن کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت مین صرف حضرت لوطؑ شریک تھے، آزر شریک نہ تھا، شاید حضرت سارہؑ بھی حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ رہی ہون، لیکن قرآن مین اُس کا ذکر نہین ہے،

اسوۂ صحابہ

جلد اوّل

(مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی)

حضرات صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولیٰ کے اسلام کا عملی خاکہ،

قیمت :- للعہ روپیے،

اسوۂ صحابہ

(جلد دوم)

صحابہ کرامؓ کے سیاسی، انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل،

قیمت :- للعہ روپیے،

"منیجر"

ہندستان کے عربی شعراء پر ایک نظر

از

جناب سید اختر علی صاحب تلہری

جناب ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ نے مارچ ۱۹۵۸ء کے مؤقر مجلہ معارف اعظم گڈہ مین عنوان مذکورہ صدر کے تحت ایک اہم مقالہ سپرد قلم کیا ہے، جہان تک میری معلومات کا تعلق ہے، اردو رسائل کے لئے یہ عنوان نیا ہے، اور غالباً ان مین کوئی مقالہ اس موضوع پر ابھی تک تحریر نہین کیا گیا ہے، حالانکہ یہ عنوان خاصا وسیع الذیل ہے، اور اس مین تحقیقات کی کافی گنجایش ہے،

جناب معصومی صاحب نے اس عنوان پر اظہار خیال کر کے اور خصوصیت سے اس ناساز گار فضا مین جبکہ ان زبانون کے متعلق کسی قسم کی بات چیت کرنا بہت ہی خشک اور غیر مفید مشغلہ سمجھ لیا گیا ہے، ہندوستان کی اقلیت کے ادب اور ثقافت کی بڑی خدمت انجام دی ہے، اس مین کوئی شک نہین کہ مسلمان کسی عالم مین رہین، کسی فضا مین زندگی بسر کرین، عربی زبان اور عربی ادب سے اُن کا رابطہ قائم رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس سے اُن کے اسلامی کلچر کی آبیاری ہوتی ہے، اور انھین دینی ذوق کی صحت درست رکھنے والی غذا ملتی ہے،

البتہ اس سلسلہ مین ایک امر ضرور قابلِ گذارش ہے کہ اور وہ یہ کہ اس مفید مقالہ مین ہندوستان کے شیعہ عربی شعراء کا تذکرہ یک سخت نظرانداز ہوگیا، یہ ٹھیک ہے کہ جناب معصومی کا مقالہ اجمالی ہے، مگر پھر بھی اس مقالہ کے حدود مین اجمال کے باوجود اتنی گنجایش تھی کہ اس طبقہ کے بعض ممتاز شعراء کا

سرسری ہی سی ذکر کر دیا جاتا، اس فروگذاشت کی وجہ سے متعلقہ طبقہ مین غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے، اور جناب معصومی کے بارے مین خواہ مخواہ کی تنگ نظری کے الزام کے لئے ایک گوشہ نکل آتا ہے،

دو تین سال کا عرصہ ہوا، آل انڈیا ریڈیو کے عربی شعبہ سے لکھنؤ اسٹیشن نے ایک تقریر "ادبا، العربیۃ فی الہند" کے موضوع پر عربی زبان مین نشر کی تھی، اس تقریر مین ہندوستان کے عربی شعراء کا ذکر کیا گیا تھا، اور اس مین کوئی طبقہ نظر انداز نہین ہوا تھا، اور مناسب بھی یہی تھا، کیونکہ ادبی مقالات کی نوعیت کے تن و توش کے تصرفون کے متحمل نہین ہو سکتے،

جناب معصومی کے ادبی ذوق کی بلند پایگی ملحوظ رکھتے ہوئے، یہ خیال نہین کیا جا سکتا کہ انھون نے ہندوستان کے شیعہ عربی شعراء کو قصداً نظر انداز کیا ہوگا، تاہم زیر نظر مضمون مین اس اہم طبقہ کے شعراء کا نظر انداز ہو جانا خواہ کسی وجہ سے ہو، جب کہ اس نے کچھ غیر معروف شعراء کے ذکر کو بھی اپنے دامن مین سمیٹ لیا ہے، ادبی نقطۂ نظر سے قابلِ تلافی ضرور ہے،

اس کا انکار نہین کیا جا سکتا کہ عربی ادب و شعر کے سلسلہ مین ہندوستانی شیعون کی خدمات کم وقیع نہین ہین، تیرہوین صدی کے وسط سے اب تک تقریباً سوا سو برس کے عرصہ مین عربی کے شیعہ ہندوستانی ادیبون نے اپنی اس مذہبی و قومی زبان کے ادب و شعر کے فروغ مین کافی عرق ریزی کی ہے، اس ادبی جد و جہد کے نتیجہ مین بعض شیعہ ادیب اکثر رجودت مین اور بعض جوہر عربیت مین اپنے سابقین پر فوقیت لے گئے ہین،

جناب معصومی کے مقالہ کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اُن کے مضمون کی تذییل کی حیثیت سے ہندوستان کے چند شیعہ عربی شاعرون کا اجمالی طور سے ذیل مین ذکر کیا جا رہا ہے،

مفتی میر عباس صاحب اس سلسلہ مین سب سے پہلا نام مفتی میر عباس صاحب المتوفی ۱۳۰۶ھ کا آتا ہے، وہ ایک زبردست فقیہ و متکلم ہونے کے ساتھ فارسی و عربی کے فقید النظیر شاعر تھے،

ان کا عربی دیوان "رطب العرب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اور وہ آزاد بلگرامی کے دیوان سے زیادہ وسیع ہے، اس کے علاوہ جناب مرحوم کے کثیر التعداد مستقل منظومے عربی مین ہین، اُن مین ایک منظومہ اجناس تجانس ہے، جو کئی ہزار عربی اشعار پر مشتمل ہے اس منظومہ مین اس کا التزام کیا گیا ہے کہ ہر شعر مین کسی نہ کسی قسم کی تجنیس موجود ہے، جناب مفتی صاحب نے تیرہوین صدی کے درمیان سے چودہوین صدی کی ابتدا تک نصف قرن سے زیادہ دوسرے علوم مین اشتغال کے ساتھ ساتھ عربی ادب و شعر کی خدمت مین صرف کئے ہین، جناب مرحوم نے نہ صرف خود عربی شاعری کی ہے، بلکہ عربی کے بہت سے ادباء و شعراء کی ترتیب بھی کی ہے، چنانچہ شاہ محمد سلیمان پھلواروی صاحب اور مولانا محمد عین القضاۃ صاحب لکھنوی نے عربی ادب آپ ہی سے حاصل کیا تھا،

مفتی صاحب کا ایک قصیدہ ہے، "بائیہ فنائیہ" اس مین قبر اور قبر مین دفن ہونے والون کا عبرت خیز اور اثر انگیز نقشہ شعر کی زبان مین کھینچا ہے،

اتتنا منایانا علی حین غفلۃ — وقد طالما کنا نخوض ونلعب

فقیل لنا قوموا سراعاً وسافروا — فسرنا وما غیر الجنائز مرکب

فسار وبنا سیراً الی دار وحشۃ — وظلماً لما فیہا سراج وکوکب

علی سطحہا بول الکلاب وخرؤہا — وفی جوفہا نمل ودود وعقرب

وکم ذات خصر ضام تحت صخرۃ — لہا اعین سود وکف مخضب

وکم من طری الجسم اصبح جیفۃ — وقد کان فی شم الریاحین یرغب

عربی شعر کے پرکھ کی جنھین نظر حاصل ہے، وہ اشعار مندرجۂ بالا سے اس کا اندازہ کر سکتے ہین کہ جناب مفتی صاحب کو عربی زبان اور اس کے اسالیب بیان پر کس قدر دسترس حاصل تھی، اور وہ اپنے خیالات کو شعریت کی زبان مین کتنے سلیس اور موثر طریقہ سے ادا کر سکتے تھے،

ایک دوسرے موقع کے اشعار ہین :-

یاغفلتی عن مبعثی، بتغیر الاحوال　　فرداً ذلیلاً حائراً، متحمل الاثقال

متحیراً بتطائر لصحائف الاعمال　　متوقفاً بمواقف، فیھا عظیم سوال

متوحشاً متخوفاً، من شدۃ الاھوال　　بسلاسل ومقامع، ومواضع لنکال

وجھنم نیرانھا، سود کقطع لیال　　وشدائد لیست تقوم بھن شم الجبال

مفتی صاحب کے یہان زبان کی روانی و سلاست اور بیان کی عذوبت و حلاوت کا یہ عام انداز ہے، اہل زبان نے اُن کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے،

مولانا سید محمد مہدی صاحب ادیب مصطفیٰ آبادی المتوفی ۱۳۱۷ھ

جناب مفتی صاحب کے تلامذہ مین مولانا سید محمد مہدی ادیب وہ فرد فرید تھے جنھون نے دوسرے تمام علوم سے الگ ہوکر اپنے کو صرف عربی ادب کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، کثرتِ مشق اور صحتِ ذوق نے آپ کے کلام مین عربیت کا جوہر خاص طور سے نکھار دیا تھا، آپ کا کلام بھی شائع ہو چکا ہے، آپ کی نثر و نظم کا ایک مجموعہ کواکب دریہ ہے جو اب سے کچھ پہلے مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ کے ادبی نصاب مین بھی داخل تھا، اس کے علاوہ آپ کا ایک دیوان عربی بھی ہے۔ آپ اکثر علی السبیل الارتجال کہتے تھے، آپ کی علی السبیل الارتجال کہی ہوئی ایک نظم کے چند شعر بطور انموذج پیش کئے جارہے ہین،

ھیامٌ ببعض الاکرمین الاماجد　　وانی لمرموض بجر التباعد

الا ایھا الدھر المشت ترکتنی　　کلحمٍ علیٰ وضمٍ بجد الشدائد

انخت علینا کلکل البین والنویٰ　　فصرت کبعض الذر تحت الجلامد

اأکتم حباً والتململ فاضحی　　وتلک دموع العین بعض الشواھد

ولست اُبالی بعد ما زرت مقصدی　　فراق طبیبی او قیام العوائد

وکنت اذا ازمعته لا یردنی　　وقوع العوالی او غضاض الاساود

جناب مولانا سید محمد باقر مرحوم سابق پرنسپل مدرسۂ جامعہ سلطانیہ لکھنؤ المتوفی ۱۹۲۰ء

مفتی میر عباس کے بعد سے اس وقت تک کے ہر طبقہ پر نظر ڈالنے سے یہ واضح طور پر محسوس ہو جاتا ہے کہ عجمیت اور ہندیت سے ہندوستان مین عربی کلام کے پاک کرنے کا کام مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے شروع کیا تھا جو برابر ترقی کرتا گیا، چنانچہ مولانا محمد مہدی کے بعد جو طبقہ نظر آتا ہے، اُس مین سے اکثر کے کلام مین خالص عربیت کا لطف بہت زیادہ موجود ہے، جیسے مرحوم مولانا سید محمد باقر بن مولانا سید ابوالحسن کشمیری جناب اعلی اللہ مقامہ کے ایک قصیدے کے چند شعر ذیل مین درج کئے جاتے ہین، اُن سے اس کا اندازہ ہوگا کہ قادرالکلام شاعر نے ان اشعار کے پیمانون مین خالص عربیت کی مئے کہنہ کس لطف سے بھری ہے،

حنانیک لا تسئل رسوم المنازل　　ابت صمھا رجع الجواب لسائل

تصامم حتی لا یجبن متیما　　وان مات وجداً بین تلک الخنازل

وما ھی لو ردت جواباً لمدنف　　بشافیۃ منہ وجیب البلابل

اسی تشبیب کے چند شعر اور سنئے،

رویدک من تسئال طلولا دوارساً　　محاھا البلیٰ یحصل علیٰ غیر طائل

ولو کلمت یوماً ربوع تکلمت　　منازل طفت یا لھا من منازل

منازل قدس طیب اللہ تربھا　　وقدسھا من کل رجس وباطل

مناخ لوفادٍ وحصن لخائفٍ　　مطاف لحجاج وری لناھل

وروض لذی لب وماء لظامیٍ　　وبرء لذی سقم وکنز لعائل

سلام علیٰ تلک الربوع واھلھا　　سلام حبیب للحبیب المواصل

ربوعٌ متیٰ ذکر مقامی بارضھا　　وعھدی بایامٍ مضین قلائل

تحرك منّى ما اجن من الاسیٰ ودا ء دفین فی شغافی داخل

مولانا السید ظہور الحسین البارہوی المتوفی ۱۳۵۵ھ

استاذ محترم جناب مولانا السید ظہور الحسین مرحوم سابق ڈائرکٹر مدرسۂ عالیہ رامپور منطق و فلسفہ و کلام و فقہ و اصول فقہ کے ایک زبردست دقیق النظر عالم تھے، ان علوم میں اس شغف و کمال کے باوجود اُن کا ادبی مقام بھی بہت بلند تھا، اُن کی عربی نثر و نظم قابل صد غبطہ تھی، ان کا کلام اب سے چالیس برس پہلے جب مصر میں پہنچا ہے، تو وہاں کے ادیبوں نے اُسے بہت پسند کیا تھا، بسلسلۂ تعلیم جب میرا قیام رامپور میں تھا، اور جناب مرحوم سے دیوان حسان، رسائل اور شرح مطالع وغیرہ کے پڑھتا تھا، تو اکثر جناب مرحوم کی عربی شعر گوئی کی مہارت کے مشاہدہ کا اتفاق ہوا ہے، ایک ہی نشست میں ہم لوگوں کی قائم کی ہوئی عربی کی ادبی انجمن مفتاح الادب کے لئے اچھا خاصہ قصیدہ نظم فرما دیا ہے، اور ہم لوگوں کے نثر و نظم کے کلام کی اسی نشست میں اصلاح بھی کی ہے،

جناب مرحوم کے ایک قصیدہ سے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں نظم کیا گیا ہے، چند شعر نقل کئے جارہے ہیں،

یا عین ھل طعن ببعض النجل بکاک ام ھجو غید قاسی القلب ادماك

نفسی تحللها دمعا صبا بتها حتّی تفیض دماً ما صرد انجواك

من لی باحوی اذا یرنو بمقلته یصمی القلوب بطرف منه فتاك

لحظ له نافذ یمضی کذی شطب یردی به کل صب ای اهلاك

اهواه من اهیف قد زانه خلل یرتج فیها بغصن شبه مسواك

من افرع تلدغ العشاق طرته لدغ الافاعی وتسبی صید اشراك

یشکو جوی القلب لا تنفك مضهته

شکوی السّلیم فلا یصغی الی الشاك

تشبیب کے بعد مدح کی منزل یوں طے کی ہے،

من لی بطیبة قد طابت اسرتها بالطیب المصطفٰی والطاهر الزاکی

یا تربة قد حوت علیا اُشامخة ما ان ینال ذراها فرع افلاك

طاب الثری منك لم یبلغ ناوجه فوح العبیر واین المسك من ذلك

فیك نوت معجزات لا انتهالها حتی اضمحل هنا تلك یب افاك

بل انوت فیك اسرار دقایقها لیست تحل من عقل وادراك

فیك النبی لقد حلت مرابته ذلت لرتبته اعناق املاك

محدث المحققین جناب مولانا السید ناصر حسین اعلی اللہ مقامہ المتوفی ۱۳۶۱ ہجری

جناب مولانا السید ناصر حسین صاحب قبلہ ایک زبردست مورخ و محدث و متکلم ہونے کے ساتھ عربی ادب و شعر کا بہت ہی بلند ذوق رکھتے تھے، ان کے منظومات میں خالص عربیت کے لطف کے ساتھ تخیلی شعریت کا نشاط بھی بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا، اُن کے عربی نطفے بھی ادبیت کے لحاظ سے بے مثل ہوتے تھے، جناب مرحوم کے ایک قصیدہ کے چند شعر ذیل میں درج کئے جارہے ہیں،

مالی اری لیلتی حفت بانوار کانها بضیاها ذات اقمار

خود حصان مصان شخصها ابدًا وضوء غرتها تبریق ابصار

بانت لوامعها حتّی بها تلقت انجاد ارض حماها بعد اغوار

لا یعرف الحیُّ ممشاها وان جهدوا الّا بطیب شذاها الفائح الساری

سمراء فی دعج هیفاء فی غنج قرعاء فی ارج بیضاء معطار

لمیاء فی شنب کالراح مرعبه تحدو علی طرب من غیر اسکار

قصیدہ مذکورہ کے اس شعر "لا یعرف الحیُّ ممشاها وان جهدوا" کے بارے میں مصر

کے ایک ادیب نے لکھا ہے کہ اگر یہ شعر امراء القیس کے دیوان میں درج کر دیا جائے، تو اس کے کلام کے ساتھ مل جائے، اور امتیاز نہ ہو، جناب مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ کے جناب استاذ محترم السید ظہور الحسین صاحب قبلہ سے تعلقات خصوصی تھے،

ایک علمی و ادبی مطارحہ اسی سلسلہ سے ایک مرتبہ جناب مولانا السید ظہور الحسین صاحب نے جناب ناصر الملۃ کے پاس حقیقتِ نفس کے متعلق ایک قطعہ بطور اُحجیہ مُعمّا لکھ کر بھیجا، جناب ناصر الملۃ نے اُس کا جواب اسی ردیف و قافیہ میں اور پھر جناب ظہور الحسین نے اس کا جواب الجواب لکھا ہے،

زبان و معنی کے لحاظ سے یہ مطارحہ خاص چیز ہے، ان قطعات کے اس طرف اس طرف سے چند شعر ذیل میں بطور نمونہ درج کئے جا رہے ہیں،

جناب السید ظہور الحسین صاحب کے ابتدائی قطعہ کے چند شعر

یا من تالق فی برج العُلاء قمراً   تد هُوا اشعته فی قمة الشرف

و من تضوع ورداً فی ریاض هدیً   یعتادها سحب الرضوان واللطف

ماذا الذی میزالا شیاء اجمعها   ولم یمیزه شیئٌ وهُو غیر خفی

لولاه ما ادرك الانسان بغیته   ولم یمیز سبیل التبر عن خزف

لولاه ما تم للرحمٰن حجته   علی البریة من بادٍ ومعتکف

لولاه امسی اخس الخلق اشرفهم   داوسط النجم اضحی واضح الجنف

یبکی ولا عین من ترح ویضحك من   فرح ولا ثغر من یعرف یعترف

یہ قطعہ چوبیس شعر کا ہے، اور اس میں نفس کی مختلف خصوصیتیں اسی مبہم عنوان سے بیان کی گئی ہیں، جناب مولانا السید ناصر حسین صاحب مرحوم نے اس کے جواب میں چھبیس اشعار پر مشتمل قطعہ لکھا، اس کے چند شعر یہ ہیں :-

یا من ترقی قنان الفضل والشرف   ولم یحل عن طلاب المجد بالترف

انشات احجیة راقت محاسنها   اضحت محبتها للنفس بالکلف

و زینت سرها الهیابد اعجبا   وکان مکتتما کالدر فی الصدف

ممنعا فی ذری العز الرفیع فلا   یحوم حول حماه طائف الخطف

تربه عطفات الحق فی غرف   لا یبتغی حولا عن هذه الغرف

حظائر القدس کانت من مراتعه   یروح فیها ویغدو وافر النطف

ما خال قط حظره عن مناشئه   وکان فی العیش ما مونا عن التلف

فبینما هُو فی انس وفی رغدٍ   یزهو بمنعرج فیه ومنعطفٍ

فصار منخفضا من بعد رفعته   یجوب اودیة الاصلاب والنطف

وبات مضطربا فی مازقٍ لججٍ   یجتاب اغشیة الارحام فی السدف

ثم انثنی نحوها تیك المعاهدة

یری له معزلا عنها الذی انتظف

اس کے جواب الجواب میں جناب استاذ محترم نے انتیس اشعار کا جو قطعہ لکھا اُسکے بھی چند شعر ذیل میں درج ہیں،

یا من تلاهو شمسا فی سما ادبٍ   بدیرها ربِ نوع الفضل والشرف

و من بدا لؤلؤاً فی جید مکرمة   قد زانها نخبت عن لولو الصدف

. . . .

اودعت شعرك سحراً اذ کشفت به   مکنون سرٍ تجلی غیر منکشف

ان صاب سهمك لا غرو ولا عجب   هل سهم مثلك یخطی عرضة الهدف

اصررت سہمت فی غماسی الدجی غرضا — یغشاہ داج من الاسلات والغلف

مفتی سید محمد علی صاحب بن مفتی سید محمد عباس صاحب المتوفی سنہ [illegible]

عربی ادب و شعر کے اسی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں کڑی جناب مولانا مفتی سید محمد علی صاحب مرحوم ہیں، آپنے ادب و شعر کا ذوق اپنے والد ماجد جناب مفتی میر عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ سے وراثت میں پایا تھا، عربی شعر کی آپنے بہت زیادہ خدمت کی ہے، سیکڑون قصائد اور مراثی آپنے لکھے ہیں، اور عربی زبان کے نکات و رموز کے محرم بن کر لکھے ہیں،

اس مقام پر ان کے ایک منظومے کے چند شعر درج کئے جارہے ہین جس میں انھون نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مجد وعلا کی منزل تک رسائی مصائب و نوائب کے ہفتخوان طے کئے بغیر نہین ہوسکتی، اگرچہ یہ خیال کوئی نیا خیال نہین ہے تاہم قادر الکلام شاعر کی قدرت بیان نے اس اخلاقی تصور کے نقشہ مین لطیف شاعرانہ اچھوتی تشبیہون کا رنگ بھر کر منظومہ کو لطیف ندرتون کا مخزن بنا دیا ہے، فرماتے ہین،

وجہ العلی مستبانٌ غیر منتقب — لکنہ حفّ بالآلام والکرب
والمجد آنسۃ ما کاد یخطبہا — الا الذی خاض فی الاھوال والنوب
ھو المدام ولکن لن تفوز بہا — من قبل حسوک راح الوجد والعطب
ورد الرزایا اذا ما المجد تطلبہ — فقاطف الورد واط شوکۃ النسب
ولا احب علوّا راقت مطارفہا — قد حاکہا ید آراو بنان آدب

فانما المجد مجدٌ انت کاسبہ

بسیف جدک مہریقا دم النصب

اس منظومے پر نظر کرنے سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شعر ہندوستان مین صرف تغزل و تشبیب یا مدحیہ شاعری ہی مین منحصر نہین رہا ہے، بلکہ اس مین اخلاقیات و اجتماعیات وغیرہ کے پہلوؤن پر بھی توجہ کی گئی ہے،

مولانا السید نجم الحسن صاحب اعلی اللہ مقامہ المتوفی سنہ [illegible]

مولانا السید نجم الحسن صاحب جناب مفتی میر عباس صاحب کے داماد تھے، آپکے دینی و علمی فیوض اب تک اقطاع ہند مین جاری و ساری ہین، مدرسۃ الشرائع لکھنؤ کے آپ پرنسپل تھے، مدرسۂ عالیہ رامپور کے سابق ڈائرکٹر، مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے بانی علوم دین کے ماہر ہونے کے ساتھ عربی و فارسی کے ادب و شعر پر بھی انھین دسترس حاصل تھی،

ان کے ایک طولانی قصیدے سے چند شعر ذیل مین درج کئے جارہے ہین،

یا لیلۃ ازرت بشمس نہار — فاضاءت الاقطار بالانوار
ھی لیلۃ لم ات فی مثلہا — فتنۃ الطغاۃ الفجرۃ الاشرار
نحو النبی واز معوا ان یقتلوا — بقواضب او صارم بتار
یثبوا علیہ اذا ینام ویطفئوا — نور الہدی بقواصف الاعصار
امر الوصی فنام فوق فراشہ — متغطیاً والجند حول الدار
قد بات فیہ یشری نفسہ ثم اشتری — نعم الرضا الکرم بہذا المشار
قد بات کاللیث المذلل آمناً — والقوم محدقۃ لکن عب ضار

رفاشیوابیان جناب مولانا السید سبط الحسن ہنسوی المتوفی سنہ ۱۳۵[illegible]ھ

جناب مولانا السید سبط الحسن مرحوم اپنے عصر کے بہت ہی خوش بیان ذاکر تھے، آپ کی شیوا بیانی کا ہر خاص و عام لوہا مانے ہوئے تھا، آپ جناب مولانا نجم الحسن اعلی اللہ مقامہ اور جناب مولانا السید باقر صاحب مرحوم کے ارشد تلامذہ مین سے تھے، ایک جید عالم و فاضل ہونے کے ساتھ آپ کا ادبی ذوق قابل صد رشک تھا، فارسی، عربی، اردو تینون زبانون کی شاعری مین آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا،

جناب مولانا سید باقر صاحب مرحوم کے سانحۂ ارتحال سے متاثر ہو کر آپ نے جو مرثیہ لکھا ہے وہ اپنے اسلوب عربیت اور دلی جذبات کی موثر عکاسی کے لحاظ سے بے نظیر ہے، اس مرثیہ کے چند شعر ذیل مین درج کئے جاتے ہین

قیل اصبروا فالصبر فیہ جمیل — قلنا ولکن المصاب جلیل
قالوا الم یقرع لسمعک فضلہ — قلنا بلی لکن لہ تاویل
قالوا خذوا عند الملام ھی سلوۃ — قلنا ھدیتم انہ التضلیل
قالوا الی کم تصطلون بنارہ — قلنا ولا ینسی الخلیل خلیل
قالوا الیس لکم سواھا قبلۃ — قلنا الیکم ما لھا تحویل
قالوا الا ترقی دموع عیونکم — قُلنا وکیف اذا الخدود مسیل
قالوا الیس لذا الرنین ھوادۃ — قلنا ومن بعد الرنین عویل
قالوا عرتکم رجفۃ فتثبتوا — قُلنا وکیف اذا الجبال تمیل
قالوا اما الاصباح من لیلاتکم — قلنا وقد کان اللیل طویل
قالوا سلوتم قبلہ عن فاطمۃ — قلنا اذا ما ناب عنہ بدیل
لکنہ میتٌ فقدنا شخصہ — ونظیرہ فاستصعب التمثیل

یہ پورا مرثیہ آمد کا بہترین نمونہ ہے، اس میں آورد کا کہیں سے بھی نشان نہیں ملتا، جناب مرحوم کے ایک قصیدہ کی تشبیب کا ایک شعر اس وقت مجھے یاد آرہا ہے جس کی حلاوت مجبور کر رہی ہے کہ یہاں اُسے درج کر دیا جائے،

وقرطان جوالان کالقلب خافقاً — کنجمین بالبدر التمام تعلقا

(محبوبہ کے کانوں کے دونوں گوشوارے حرکت نہیں کر رہے ہیں، بلکہ وہ عاشق کا دل ہے جو دل رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو ستارے ہیں جو چودھویں رات کے چاند میں آویزاں ہیں)

اس شعر کی جس لطیف تشبیہ پر بنیاد ہے، اس کی داد نہیں دی جا سکتی، عربی میں "خفق" کا لفظ اضطراب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، قلب کے اضطراب کے لئے بھی اور ستارے کی جھلملاہٹ کے لئے بھی (اخفق

گوشواروں کو دل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے خافقاً کا لفظ استعمال کیا، جس سے ذہن فوراً ستارے کی طرف منتقل ہو گیا، گوشوارے کو "قلب خافق" سے تشبیہ دیکر معشوق و عاشق کے باہمی ارتباط کی طرف بھی لطیف اشارہ کر دیا، ادھر بندے کانوں میں ہلتے ہیں، اور ادھر عاشق کا دل ڈانواڈول ہے، یا بیتابی سے دھڑکنے لگتا ہے، یہ پہلی تشبیہ مفرد ہے، اب تشبیہ مرکب کے تیور ملاحظہ ہوں ع

کنجمین بالبدر التمام تعلقا

چاند سا چہرہ اور اس میں گوشواروں کی آویزش معلوم ہوتا ہے، دو ستارے ہیں، جو ماہ کامل میں آویزاں ہیں، مکمل تشبیہ کی اس سے خوبصورت مثال اور کیا ہوگی،

مولانا السید شبیر حسن جونپوری اعلی اللہ مقامہ

مولانا السید شبیر حسن مرحوم سابق مدرس اعلی وثیقہ اسکول فیض آباد بھی اسی ادبی دائرے کے ایک درخشاں فرد تھے، اُن کے متعلق ادبائے عصر نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ قدیم وجدید کے درمیان حلقۂ اتصال تھے، جناب مرحوم کا عربی میں بسیط دیوان موجود ہے، وہ پر گو بھی تھے اور نغز گو بھی، ان کا ایک "موشحہ" عربی مجلہ "الرضوان" لکھنؤ میں شائع ہوا تھا، بالکل "اندلسیہ" معلوم ہوتا ہے، اُس کے ابتدائی تین چار دور ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں،

سلب الحب عن فؤادی قرارا — وعن العین رقدۃً وغرارا
وعنِ الوجہ نضرۃً واحمراراً — وکساہ مساءۃً واصفرارا
استجار الجوی بہٖ فاجارا
ما بہ غیر حرقۃٍ ولہیبٍ — ووجیب یزید فوق وجیب
یشتکی ومالہٗ من مجیبٍ — غیر دمع علی الدوام سکیب
وزفیر فیہ یوجج نارا
بات یبکی مساوراً لوجومہٖ — مسھراً لیلہ یعد نجومہٗ

مستہاماً علیٰ فراش ھموم شاربا فی النویٰ کئوس غموم

والخلیون فی کراھم سکاری

یتلظی الفؤاد وجداً وحراً وتسیل الدموع نظماً ونثراً

یاعذولی عن الملامۃ صبراً وارفقن وارفقن نزراً فنزراً

جناب مولانا السید عالم حسین مرحوم

جناب مولانا السید عالم حسین مرحوم جامعہ سلطانیہ لکھنؤ مین عربی ادب کے مدرس اعلیٰ تھے، آپ کو عربی ادب وشعر سے خاص لگاؤ تھا، آپ مسلسل عربی مین قصیدے لکھتے رہے، آپکے اشعار سے آپ کی عربی زبان مین مہارت کا اندازہ ہو سکتا ہے، چند شعر ایک قصیدے سے ذیل مین نقل کئے جا رہے ہین،

انخت بباب الغوانی المطیا ابانفس قد جئت شیئاً فریا

فمالک والعشق بالغانیات کانک صاحبت مرءاً غویا

اوانک شاھدت اھل الھویٰ بباب الدمی سجداً وبکیا

اوانک عاینت ضلیلھم یطوف بہ بکرۃً وعشیا

فطوراً تقول افاطم مھلاً وطوراً تقول اھجرین ملیا

اس حقیقت کا اظہار یہان شاید بے محل نہ ہو کہ لکھنؤ کے علمی ادارون سے وابستہ بیشتر نمایان شیعی علماء عربی ادب وشعر کا نہایت صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے، ان مدارس مین علماء کے دامن کمال کیلئے یہ ایک داغ سمجھا جاتا تھا کہ وہ عربی مین نظم ونثر لکھ سکنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہون، یہی وجہ تھی کہ اُن کی نگرانی مین عربی شعر وشاعری کے برابر اجتماع ہوتے تھے، ان مین ان اربابِ فضل وکمال کا کلام پڑھا جاتا تھا، اور اُن کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کرنے والے دوسرے مستعد طلبہ بھی اپنا کلام سناتے تھے، اس سے عربی نظم کے ذوق مین خاصی ترقی ہوتی تھی، لکھنؤ کے قیام کے زمانہ مین مجھے خود ان محافل ذ

مین شرکت کا اتفاق ہوا ہے،

مدرسہ مشارع الشرائع (ناظمیہ) کے چشمہ سے فیض یاب ہونے والے دو جلیل القدر مرحوم ادیبون کا ذکر یہان ضروری ہے، ان مین سے ایک تو ہین مولانا السید محمد ہارون صاحب اعلی اللہ مقامہ، آپ کی عربی اور اردو مین تصنیفات موجود ہین، آپ کا عربی نظم ونثر مین پایہ بہت بلند تھا، دوسری گرامی قدر ہستی ہے جناب مولانا السید محمد خلف مولانا السید نجم الحسن صاحب مرحوم کی آپکا انتقال ۲۳ برس کے سن مین ۱۹۲۷ء مین ہوا ہے، چونکہ آپ مفتی میر عباس صاحب کے نواسے تھے، اس لئے اس مناسبت سے آپکے چند اشعار تاریخ عباس مؤلفہ جناب عزیز لکھنوی مرحوم مین درج کئے گئے ہین،

سوء اتفاق کہ اس وقت شاہجہان پور مین مجھے ان کا کلام دستیاب نہین ہو سکا، حالانکہ ہندوستانی عربی شعر کے مائدہ پر وہ لطیف غذا کی حیثیت رکھتا ہے،

ان بزرگوارون کے علاوہ زنگی پور ضلع غازی پور بھیک پور ضلع سارن بہار، پٹنہ، امروہہ وغیرہ مین ایسے اکثر علماء تھے جنہین عربی نظم کا بہت اچھا ذوق تھا، مثلاً مولوی السید نظیر حسین مرحوم بھیک پوری، مولوی السید مظہر علی مرحوم، جناب جمیل مظہری کے جد امجد، مولانا السید فدا حسین مرحوم، مولانا السید محمد یوسف مرحوم زنگی پوری وغیرہم، اُن مین سے بعض حضرات کا کلام طبع بھی ہو چکا ہے، مگر اس وقت میرے پاس موجود نہین ہے، اس لئے اقتباس پیش کرنے سے بالفعل معذور ہون،

موجودہ قحط الرجال کے زمانہ مین بھی لکھنؤ بلند پایہ شیعہ ادیبون اور شاعرون سے خالی نہین ہے، چنانچہ جناب مولانا سید علی نقی صاحب صدر شعبہ استاذ شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی، اور ڈاکٹر سید جعفر حسین صاحب ام اے ال ال بی پی ایچ ڈی لٹ لکچرار کرسچین کالج دو ایسے ممتاز ادیب موجود ہین، جن کا کلام کسی طرح عرب شعراء کے کلام سے الگ محسوس نہین کیا جا سکتا،

جناب ڈاکٹر سید جعفر حسین نے استاذ محترم جناب مولانا السید ظہور الحسین مرحوم کے انتقال پر جو

مرثیہ لکھا ہے، اُس کے چند شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، اُن سے اس امر کا اندازہ ہوگا کہ ہمارے اس گوشہ نشین، غیر شہرت پسند ادیب لوذعی کی عربی شاعری کا پایہ دوسرے علوم و فنون میں کمال کی طرح کس قدر عالی ہے،

نوائب الدهر قد جاشت اواذيها	يا ليتها انصرفت عمن يقاسيها
وهل بديع من الايام ما فعلت	ويا لفواتح قد ماسال واديها
فرب دانية في روضها عبثت	بها الذياب اذا ما غاب راعيها
ان الكواكب لا تنفك ساهرة	تمسي على خدر منها دراريها
ان المنية لا تبقى على احد	يبرى السهام لكل الخلق راميها

نوائب دہر کی دست درازیوں کی مختلف پُر اثر عنوانوں سے تصویر کھینچنے کے بعد قادر الکلام شاعر نے یوں تخلص کیا ہے،

لكن موت فقيه عالم علم	اشد وقعا علينا في دواهيها
بما التحلل في الدنيا لساكنها	اذا خلا من رئيس القوم ناديها
حليف مجد نقي العرض مجتهد	حلس التقى ذي المعالي البيض حاميها
يا ناعيا من نما في حجر مكرمة	أأنت تنعاه لي ام انت ناعيها

ما زال صاحب اخلاق معطرة

كما تصاحب الفاظا معانيها

جزیل الفاظ اور ٹکسالی محاورات میں ڈوبا ہوا جناب ڈاکٹر صاحب کا اُسلوبِ بیان اُن کے عرائس سخن کو خالص عرب شعراء کے نباتِ افکار کے پہلو میں جگہ دے دیتا ہے،

اُن کی عربی شاعری کا یہ عمومی رنگ ہے، اُن کی پاکیزہ تخیل خالص عربی الفاظ و محاورات کے

دلپسند سانچوں میں حسن سے ڈھلتی چلی جاتی ہے، ع

این سعادت بزور بازو نیست

مقدم الذکر جناب مولانا السید علی نقی صاحب کے اپنی عربی شاعری میں "ادب عصری" کی خصوصیتیں بھی خوبی سے سموئی ہیں، آپ کا کلام مصر کے مجلات میں ممتاز عنوان سے شائع ہوتا رہا ہے، آپ کی ایک نظم ہے، "نحن قلم التاریخ" اس کی تخیل کا خط پورے طور سے عصری ہے، اس نظم میں شاعر نے اُن چیزوں کا ذکر جو تاریخ کے ممتاز عنوانات بنائے گئے ہیں، ایسے لہجہ میں کیا ہے کہ جس سے اُن کا کھوکھلا پن بڑے لطف سے نمایاں ہو جاتا ہے، اغدوبت اُسلوب اور سلاستِ بیان سبحان اللہ،

في عصرنا عصر التسابق والعلى	ماذا يخط على اسمنا تاريخ
نوم عميق والنشاء دائم	وعلى المذلة والهوان رضوخ
وتخاذل وتدابر وتقاطع	وبغير فخر في الانوف شموخ
قول بلا عمل ودعوى كلها	جوفاء لكن شنها منفوخ
نتعهد اللذكار عن عيش مضى	وقد يعهد شرعه منسوخ
قد عاد ذاك العهد طيفا ساريا	اضحى وجنح ظلامه مسلوخ

آپ کا ایک لطیف قطعہ ہے جس کا عنوان ہے "تأثرات الجمال"

ما للاوانس قد برزن سوافرا	يشوارع من جمعها تكتظ
اصبحن ينثرن الجمال سماحة	فحسنهن لكل طرف حظ

یہ قطعہ مصر کے "مجلة الجامعة" میں شائع ہوا ہے، فاضل مدیر کے اس نوٹ کے ساتھ

"انه ليسبك بابداعه في قافية صعبة ووزن اصعب مع الامعان في الترصيف وتخير الالفاظ ذات الجرس الحلو"

اس قطعہ مین سخت قافیہ اور اُس سے سخت تر وزن کی پابندی کے ساتھ نظم کے استحکام اور شیرین ترنم کے اور الفاظ کے انتخاب مین اہتمام ملحوظ رکھتے ہوئے جو ندرت آفرینی کی گئی ہے، وہ پڑھنے والے کو مسحور بنائے بغیر نہین رہ سکتی،

کوئٹہ کے زلزلہ کے بارے مین بھی آپ نے کئی قطعے کہے ہین، جو کافی حیرت انگیز و اثر خیز ہین،

بلاد (کوطۃ) ولا انا عربها نیا اذ　　وعیش النائمین بها رخاء

تزلزلت البلاد لبساکنیها　　فهدمت المساکن والبناء

وظل الهاجعون بطیب نوم　　مدالایام لیس له انقضاء

لقد عمرت بطون الارض منهم　　وذلك ظهرها منهم خلاء

اس کے علاوہ آپ کی فلسطین کے بارے مین جو گران بہا نظم ہے، وہ مصر کے متعدد رسالون نے نقل کی ہے، اور اس پر بسیط نوٹ لکھے ہین،

اس مضمون کے خاتمہ پر دو اور ادیبون کا ذکر جو ابھی بفضلہ تعالیٰ اپنے طول عمر کے باوجود بقید حیات ہین، ضروری محسوس ہوتا ہے،

ان مین سے ایک تو ہین خان بہادر نواب سید مہدی حسن صاحب دام علاہ، اس ذاتِ گرامی سے لکھنؤ کی دنیا بالعموم اور ہندوستان کی شیعی دنیا بالخصوص واقف ہے، مگر اس حیثیت سے نہین کہ وہ ادیب ہین، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ ایک مدبر ہین، ایک سیاست دان ہین، اور ایک خاص رنگ کے، جناب ممدوح کو اپنے ابتدائی دور مین عربی شعر و ادب سے خاص لگاؤ تھا، اور آپ سید محمد مہدی ادیب کے حلقہ سے تعلق رکھتے تھے، آپ کی نظم کا یہ انداز تھا،

طال العنا فهل من راحم آسی　　یشفی سقامی یطفی حر انفاسی

یطفی نوائر قلب غاله شجن　　من طول عهد النوی عن اهل ایناس

نزعوا من مجرها تا متاججه　　فی قلبی ولاح سناه عند سولسی

احن بها من رشاق القد کاعبة　　زالت بزورتها احلام الیاس

کریمة الحی لا یرجی زیارتها　　ممنوعة الطیف قد حفت باحراسٍ

دوسرے ادیب ہین مولانا السید اشرف حسین عرف نواب جان صاحب سابق مدرس مدرسۂ اسلامیہ لکھنؤ تلمیذ جناب مولانا السید ظہور الحسین صاحب اعلی اللہ مقامہ آپ بھی عربی ادب سے خاص ذوق رکھتے ہین، عربی شعر مین آپ کی مشق بھی خاصی ہے، آپ کا انداز سخن یہ ہے،

غیث حسان للقلوب اوانس　　بدجین نقیات لدی میة مرهو

کیف الوصول الی تمنی تلك الدمی　　وذراك امنع من معاقل قیصر

منهن غانیة اصابك سهمها　　سهم متی یرد الحشا لا یصدر

طابت شمائلها کازهار الربی　　نفحت ذوائبها بمسك اذفر

سطور بالا سے ہندوستان کے عربی شاعرون کے ذیل مین لکھنؤ کے اس طبقۂ شعراء کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، اور اس کا احساس صحیح طور سے کیا جا سکتا ہے، کہ اس طبقہ کی عربی شاعری کی خدمات کا ذکر کئے بغیر "ہندوستان کے عربی شعراء" کا موضوع بالکل ہی غیر مکمل اور تشنہ رہتا ہے،

نوائے حیات

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعۂ کلام نوائے حیات جس سے ناظرین معارف اور دوسرے اصحاب ذوق پوری طرح واقف ہین، وہ دوبارہ چھپ گیا ہی، اس اڈیشن مین بہت سی نئی غزلون اور نظمون کا اضافہ ہے، اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہوگیا ہی، اسکے شروع مین مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ ہے،　　قیمت مجلد للعہ غیر مجلد عہ

"منیجر"

کتابتِ احادیث عہدِ نبوی مین

از جناب خلیق نقوی صاحب قادر آبادی کراچی

ذیل کا مضمون ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے، اصل مضمون انگریزی زبان مین ہے، اور "روداد ادارہ معارف اسلامیہ" ۱۹۳۱ء مین شائع ہوا ہے، مضمون صاحب مضمون کی محنت، اور کد و کاوش کا نتیجہ ہے، بعض مقامات پر البتہ قلم کی تیز روی سلامتی طبع پر کچھ گران گذرتی ہے، مثلاً اگناتس گولڈ سیہر کے تبحر علمی و سلامتِ فکر اور بالخصوص اس کی غیر جانبدارانہ علمی تحقیقات کی مدح سرائی مین موصوف حقیقت سے دور ہو گئے ہین، اس کی کتاب ("Mohammdische Studien") جس کا انھون نے بار بار حوالہ دیا ہے تعصب کی آلودگیون سے پاک نہین، مشارقہ و مغاربہ مین وہ کونسا مرد صالح ہے جس نے اسلام سے بیگانگی کے ساتھ ساتھ اپنی تصنیف و تالیف مین کج نظری و تعصبات کے رنگ نہ بھرے ہون،

ترجمہ کرتے وقت خیال آیا کہ جمع و تدوین احادیث کے موضوع پر دوسرے فضلائے وقت نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی بھی ایک مختصر فہرست دیدیجائے، تاکہ اُن ناظرین کو جو اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہین نہ صرف تلاش و تحقیق مین آسانی ہو، بلکہ وہ راہ یقین و استقامت سے بھٹکنے والون کی گمراہیون اور ضلالتون کا معاملہ بھی سمجھ لین، ہم اپنے وقت کے علمائے محققین سے درخواست کرتے ہین کہ وہ اس موضوع کی جانب زیادہ سے زیادہ توجہ فرمائین کہ انکارِ حدیث

کی ضلالتین ہر طرف گھر رہی ہین، گمراہیون کے افسون پھونکے جا رہے ہین، جاذبۂ توفیق مٹایا جا رہا ہے، لوگون کے دلون کو شکوک و ظن، انکار و جحود سے زخمی رکھنے کے لیے طرح طرح کی بے سر و پا باتین بنائی جا رہی ہین، جھوٹے سچے ثبوت فراہم کیے جا رہے ہین، اور پوری امکانی کوشش سے آثارِ رسول کی عظمت کو جہالت و نامرادی کے زعم مین مٹایا جا رہا ہے،

اب ہم ذیل مین ناظرین کی سہولت کے لیے چند محققانہ و فاضلانہ مقالہ کی طرف اشارہ کرتے ہین،

(۱) خطباتِ مدراس - علامہ سید سلیمان ندوی،

(۲) سیرۃ النبی - شبلی نعمانیؒ، (جلد اول)،

(۳) تدوین احادیث از مولانا مناظر احسن گیلانی (مجموعہ تحقیقاتِ علمیہ جامعہ عثمانیہ اس مقالہ کی بعض قسطین تشنۂ تکمیل ہین)

(۴) تدوین احادیث کی ابتدائی تاریخ، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (اسلامک ریویو ووکنگ، مورخہ جولائی ۱۹۴۳ء)

(۵) عظمت حدیث - از مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی (استاذ شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

(۶) تاریخ تدوین حدیث - مولانا عبد السلام قدوائی ندوی،

(خلیق نقوی قادر آبادی)

علم حدیث کا شمار اہم ترین اسلامی علوم مین ہے، اور یہ اسلامی الٰہیات اور قانون کے اہم ترین ماخذ مین بھی ہے، اور بڑی حد تک اس کا اثر عقائد پر بھی رہا ہے، حدیث کے مطالعہ ہی سے بہت سے علوم عربیہ کی بنیاد پڑی اور ان کو عروج حاصل ہوا، مثلاً تاریخ، تذکرہ نگاری، جغرافیہ، لغت اور قدیم عربی اشعار کی تدوین و تالیف وغیرہ اسی کے ساتھ بعض سے بیرونی علوم طب اور فلسفہ وغیرہ بھی حدیث کے اثرات

قبول کیے بغیر نہ رہ سکے، وسٹین فیلڈ (Wüstenfeld) کے قول کے مطابق دور عباسیہ مین مسلمانون کی ساری علمی سرگرمیون کا سرچشمہ دراصل قرآن وحدیث ہی رہے ہین،[1]

جہان تک علم حدیث کا تعلق ہے، کتابت احادیث کے نقطۂ آغاز کا تعین ایک اہم ترین مسئلہ ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا احادیث کا معتد بہ حصہ دور نبوت ہی مین قلم بند کر لیا گیا تھا، یا کل کا کل مجموعۂ احادیث ایک سو سال تک سفینون کے بجائے سینون مین محفوظ رہا، اور عہد نبوی مین اگر کچھ حصہ قلم بند بھی کیا گیا تو وہ بہت ہی خفیف تھا؟

بڑی حد تک اس مسئلہ کے حل پر احادیث کی ایک کثیر تعداد کا قابل اعتماد ہونا اور اسلام کے متعدد اہم الہیاتی، قانونی، معاشرتی، اور سیاسی اصول کا مستند ہونا موقوف ہے، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ احادیث کا یہ مجموعہ پہلی صدی ہجری تک محض مسلمانون کی قوت حافظہ کے سہارے زندہ رہا، تو یقیناً ان علوم اسلامیہ کا کافی حصہ جن کی بنا احادیث پر ہے، کالعدم ہو جائے گا،

حقیقۃً اس کا فیصلہ بہت دشوار ہے، کیونکہ وہ احادیث جن کا موضوع زیر بحث سے تعلق ہے، ایک دوسرے سے متضاد پائی جاتی ہین[2] متقدمین مین صاحب سنن دارمی، خطیب بغدادی[3]، ابن عبدالبر اور دوسرے علماء و محدثین جنھون نے اس موضوع پر کافی مواد جمع کیا ہے، کوئی آخری و قطعی حکم نہ لگا سکے، اور بعد کے علماء محققین کا حال یہ ہے کہ وہ جمع و ترقیم احادیث مین کوئی فرق و امتیاز ہی نہین سمجھتے،

یورپ کے محققین مین اسپرنگر (Sprenger) کا جو اپنے اس دعوی مین حق بجانب ہو کہ موجودہ زمانہ مین وہ پہلا شخص ہے جس نے احادیث کے مطالعہ مین نقد و نظر سے کام لیا ہے، خیال ہے کہ احادیث کی کتابت و تحریر عہد نبوت ہی مین ہوئی، اسپرنگر کے بعد گولڈ سیہر

[1] عرابشن اکاڈمے مین (arabischen Academie)

[2] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۲۵ ص ۳۰۳ تا ۳۲۵ ؛ ۳۷۵ تا ۳۸۴ [3] جامع بیان العلم حصہ اول ص ۶۳ تا ۷۱

(Gold Ziher) نے بھی جو وسیع علم کا مالک کہا جاتا ہے، مدلل طریق سے یہ ثابت کیا ہے کہ احادیث عہد نبوی ہی مین قلم بند کی گئی تھین،

اگر کتب احادیث اور ان کے موضوعات کو امعان نظر سے دیکھا جائے تو صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ مین سے اکثر کے پاس صحیفے تھے جن مین اقوال و اعمال کو جمع کیا کرتے تھے، حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اس کو ساتھ ہی قلم بند بھی کر لیا[1]، اور ایک ہزار حدیثین اپنے صحیفہ مین رقم کین، جس کو وہ الصادقہ[2] سے موسوم کرتے تھے، مجاہدؒ نے یہ صحیفہ ان کے پاس دیکھا تھا[3]، اور ان کی وفات کے بعد وہ صحیفہ شعیب کے قبضہ و تصرف مین آیا، جو حضرت عبداللہؓ کے پوتے تھے[4]، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ اول کے پاس پانسو احادیث کا مجموعہ تھا، لیکن انھون نے یہ مقدس بیاض اس خیال سے تلف کر دی کہ ممکن ہے کہ بعض احادیث ان تک غیر معتبر رواۃ سے پہنچی ہون[5]، رسول اللہ صلعم کے داماد یعنی حضرت علیؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس مین کچھ قوانین درج تھے[6]، ایک دوسرے صحیفہ کے متعلق روایت ہے کہ سمرہ بن جندبؓ کے پاس تھا، گولڈ سیہر کے قول کے مطابق یہ وہی رسالہ ہے جو انھون نے اپنے بیٹے کے لیے لکھا تھا، اس مین بہت سی احادیث درج تھین[7]، جابر بن عبداللہؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جسکی محتویات کے حوالہ سے قتادہ بعد کے زمانہ مین حدیثین روایت کیا کرتے تھے[8]، عبادہ بن سعدؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس کے حوالہ سے ان کے صاحبزادہ نے بعض اعمال رسولؐ بیان فرمائے ہین[9]

[1] طبقات ابن سعد جلد چہارم حصہ دوم صفحہ ۸، بخاری، علم کتابت، ترمذی باب العلم، مسند (امام احمد ابن حنبلؒ) جلد دوم صفحات ۱۶۲، ۲۰۷، ۲۱۵، ۲۲۸ [2] اسد الغابہ تذکرہ عمروؓ بن العاص [3] طبقات ابن سعد جلد چہارم، حصہ دوم صفحہ ۸ [4] Muh St (جرمن کتاب "تحقیقات اسلامیہ") جلد دوم صفحہ ۱۰ [5] طبقات الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۵ [6] بخاری، دیت عاقلہ [7] Muh St [8] ایضاً [9] ترمذی احکام باب الیمین مع الشاہد

امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں ایک حدیث بیان کی ہے، جو ان کے نزدیک دراصل عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ کی کسی کتاب سے لی گئی تھی،[1] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ایک سے زیادہ کتابوں میں احادیث جمع کی تھیں، کیونکہ امام ترمذیؒ اپنی "سنن" میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص شہر طائف سے اُن ہی کتابوں میں سے کوئی کتاب ان کے پاس لایا، اور وہ ان کو پڑھکر سنائی، گویا سند و اجازت حاصل کی،[2] حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے متعلق ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنی وفات کے وقت اس قدر کتابیں چھوڑیں کہ ایک بارِ شتر کے مساوی ہوئیں،[3] بعد کو ان ہی کتابوں سے اُن کے بیٹے علی نے استفادہ کیا،[4] اور یہی وہ کتابیں ہیں جن سے کچھ مواد واقدی نے بھی جمع کیا تھا، جیسا کہ ایک عبارت سے جو مواہب میں منقول ہے، متبادر ہوتا ہے،[5] حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق غالب خیال یہ ہے کہ بعض احادیث انھوں نے اپنی زندگی کے آخر زمانہ میں قلم بند فرمائیں، اور ان قلم بند شدہ احادیث کو انھوں نے ابن وہب[6] اور امیہ الضمریؓ کو دکھایا تھا،[7] صحیفۂ ہمام جو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات احادیث پر مبنی ہے، کافی مشہور ہے،[8]

بہت سی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان صحائف و کتب کے علاوہ اصحاب رسولؐ اور ان کے تلامذہ نے بعض جستہ جستہ احادیث بھی قلم بند کیں، سنن ترمذی کی ایک روایت کے مطابق انصار میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کمزوری حافظہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا کہ اپنے دست راست کو کام میں لاؤ، یعنی لکھ لیا کرو،[9] حضرت ابو رافعؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگ لی تھی،[10] حضرت ابو شاہؓ نے سال فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] باب الصبر علی القتال [2] علل ترمذی [3] جامع البیان العلم حصہ اول [4] طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۱۶،
[5] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۲۵ صفحہ ۲۰، [6] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۸۴، [7] جامع البیان العلم حصہ اول صفحہ ۷۲،
[8] تہذیب التہذیب جلد اول نمبر ۵۰۵، نیز دیکھو مسند ابن حنبلؒ جلد ۲ صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۸ [9] سنن ترمذی [10] تہذیب التہذیب جلد ۲

کے خطبات عالیہ سنکر التجا کی کہ یہ خطبات ان کے لیے قلم بند کرا دیے جائیں، چنانچہ ان کی درخواست منظور ہوئی،[1] حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ نے ایک حدیث کو اس درجہ پسند فرمایا کہ انھوں نے وہ حدیث لکھ لی،[2]

ان صحائف و کتب کے علاوہ جن کی تعداد میں مزید تحقیق و تلاش کے بعد مزید اضافہ ممکن ہے، اور نیز ان متفرق احادیث کے علاوہ جن کو صحابۂ کرامؓ نے اپنی اپنی پسند سے نقل کیا تھا جن میں ممکن ہے کہ بعض صحیح نہ ہوں یا بعض مکرر ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زکوٰۃ،[3] صوم و صلوٰۃ،[4] اور صدقہ و دیت کے متعلق قوانین املا فرمائے،[5] ایک فرمان جس میں صدقات کے متعلق احکام درج تھے، جو ہنوز عمال کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا تھا، آپ کی وفات پر آپ کی تلوار سے لپٹا ہوا پایا گیا، جو بعد کو خلفائے راشدینؓ کے قبضہ میں آیا،[6]

بعض احادیث ایسی بھی ملتی ہیں، جن میں قرآن کے علاوہ کسی دوسری چیز خصوصاً احادیث کو نقل کرنے کی مخالفت آئی ہے، چنانچہ ابو سعیدؓ سعد بن مالک الخدریؓ، حضرت زید بن ثابتؓ (کاتب رسولؐ) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ایسی احادیث مروی ہیں،[7] صحابہ و تابعین میں سے بھی بعض بزرگوں نے احادیث کو قلم بند کرنا ناپسند فرمایا ہے، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، ابن سیرین، ضحاک، عبیدہ، ابراہیم، ابن المعتمر، اوزاعیؒ، علقمہ، عبید اللہ بن عبد اللہ، ابن عیینہ کے نام خاص طور پر بیان کیے جاتے ہیں،[8] ان میں سے بعض مثلاً حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے خود بھی احادیث قلم بند

---

[1] بخاری باب العلم [2] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۲۵ [3] دارقطنی صفحہ ۴۰۲، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۵ [4] طبرانی صفحہ ۲۱۶
[5] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۷، طبقات ابن سعد جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۹، دارمی صفحہ ۲۹۴ [6] ابو داؤد زکوٰۃ السائمہ [7] مسند ابن حنبل ج ۲ ص ۴۰۳، ج ۳ ص ۱۲ ج ۵ صفحہ ۱۸۲، دارمی صفحہ ۴۴ مسلم باب الزہد [8] جامع بیان العلم صفحہ ۶۳ تا ۶۴
جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ج ۲۵،

زبانی، اور انکے پاس اپنی کتابیں اور صحیفے بھی موجود تھے، جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، ان میں سے بعض مثلاً ضحاک، ابراہیم اور علقمہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ احادیث کو بصورت کتاب مرتب کرنے کے خلاف تھے، مگر بطور یادداشت قلمبند کرنے کے مخالف نہ تھے کہ جس سے حافظہ کو مدد مل سکے، مگر ان میں سے بعض مثلاً حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابن سیرین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ کتابت احادیث کی ہر شکل کو ناپسندیدہ خیال کرتے تھے،[1]

علمائے اسلام نے اس ظاہری تضاد و تخالف کی جو کتابت حدیث کے بارہ میں پایا جاتا ہے، مختلف توجیہات کی ہیں، ابن قتیبہ "تاویل مختلف الحدیث" (صفحہ ۳۶۵ تا ۳۶۶) میں فرماتے ہیں کہ یا تو یہ امتناعی احادیث (جن میں تحریر حدیث سے روکا گیا ہے) رسول اللہ صلعم کی حیات طیبہ کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں، اور بعد کی احادیث سے جو ان کی متضاد ہیں منسوخ قرار پائی ہیں، یا یہ ممانعت محض ان صحابہؓ کے لیے تھی، جو فن تحریر سے واقف نہ تھے، اس کے برعکس جن صحابہؓ کے متعلق یہ یقین تھا کہ وہ صحیح طور پر لکھنا جانتے ہیں، کتابت حدیث کی اجازت تھی، امام نووی نے شرح صحیح مسلم (کتاب الزہد) میں اس ظاہری تضاد کی اور بھی متعدد توجیہات کی ہیں،

اگرچہ عرب میں فن تحریر کا رواج بعثت نبوی سے کچھ عرصہ پہلے ہی ہو چکا تھا، اور نثریات سے بھی اہل عرب بالکل ناآشنا نہ تھے،[2] لیکن قبل از اسلام نہ تو فن تحریر ہی عرب میں عام تھا، اور نہ عربی میں نثری کتابیں، پورے شہر مکہ میں جو جزیرۂ عرب میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر تھا کل سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے،[3] مدینہ میں جہاں یہودیوں کا اثر تھا، اور جن کے متعلق شہرت ہے کہ وہ فن تحریر میں عربوں کے استاد تھے، اس فن کے واقف کاروں کی تعداد ایک درجن سے بھی کم تھی، طبقات ابن سعد میں اس زمرہ کے صرف ۹ آدمیوں کا ذکر آیا ہے،[4] ابن سعد کا یہ بھی بیان ہے کہ قبل از اسلام فن تحریر سے شناسائی کو ایسا کمال سمجھا جاتا تھا

[1] ردی الخو بہ ... (۱۹۲۰ Ch. .SE) ج ص ... جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ... ص ... وغیرہ [2]
[3] فتوح البلدان ص ... ان ... شخصوں کے نام یہ ہیں، ابو عبس، ابی بن کعب، عبد اللہ بن زید، ادس بن خولی، منذر بن عمرؓ، اسید بن حضیر اور ان کا باپ، سعد بن عبادہؓ، رافع بن مالکؓ،

اور اس کا جاننا عربوں میں بڑا کمال سمجھا جاتا تھا، جو شخص فن تحریر، شناوری، تیراندازی تین فن جانتا تھا، اس کو الکامل[1] کے لقب سے پکارتے تھے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی روایت ہے کہ ذوالرمہ نے جو عرب کا آخری مخضرمی شاعر تھا، تحریر سے واقفیت کے باوجود اس نے محض اس لیے کام نہیں لیا کہ عامۃ الناس اسے نظر حقارت سے نہ دیکھیں،[2]

گولڈ سیہر کہتا ہے کہ "بدو لوگ آج بھی لکھنے پڑھنے کو حقیر خیال کرتے ہیں"،[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں میں اس فن کو فروغ دینے کے لیے کافی کوشش فرمائی، آپ کی توجہات کے بغیر یہ ناممکن تھا کہ جن مسلمانوں کو نبوت کے ابتدائی دور میں آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہوا، مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، وہ اس فن سے محروم رہتے، آپ نے حضرت عبد اللہ بن سعید بن العاصؓ کی سے ارشاد فرمایا کہ وہ اہل مدینہ کو فن تحریر سکھائیں،[4] شفا بنت عبد اللہ کو حکم دیا کہ وہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کو تحریر کی تعلیم دیں،[5] غزوۂ بدر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اسیران جنگ میں سے جو شخص زر فدیہ ادا کرنے سے قاصر ہوں اور فن تحریر سے واقف ہوں وہ دس مسلمان بچوں کو یہ فن سکھائیں، اس کے بدلہ میں ان کو رہا کر دیا جائے،[6] ان ہی اسیران جنگ میں سے کسی شخص سے حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ فن حاصل کیا، آپ کی رضامندی کے بغیر یہ ناممکن تھا کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت بعض اصحاب صفہ کو قرآن اور فن تحریر کی تعلیم دیتے، ان ہی اصحاب الصفہ میں سے کسی نے حضرت عبادہؓ کو ایک کمان بھی نذر کی تھی،[7]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں میں فن تحریر کی بالواسطہ بھی ترویج و اشاعت فرمائی، ایک باضابطہ مملکت کے قیام کیلئے یہ ضروری تھا کہ دوسرے قبیلوں سے تحریری معاہدے کیے جائیں،

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ حصہ ۲ صفحہ ۹۱ [2] کتاب الاغانی جلد ۱۶ ص ۱۲۱ [3] ZS. Ch. ۱۹۲۰ جلد اول ص ۱۱۲
[4] اسد الغابہ عبد اللہ بن سعید بن ابی العاص (ج ۳ ص ۱۷۵) [5] فتوح البلدان ص ۴۷۱ [6] طبقات ابن سعد جلد ۲ حصہ اول صفحہ ۱۴
[7] ابو داؤد، بیوع، کسب المعلم،

مختلف فرمانرواؤن کو خطوط اور عمال مملکت کو احکام لکھے جائین، اور امور مملکت کے لیے قوانین قلم بند کیے جائین، اس لیے تاریخ کے صفحات آہین یہ بھی بتاتے ہین کہ آپکے بعد آپکے خلفاءؓ نے فن تحریر کو تمام ان مدارس مین جو انھون نے قائم کیے لازمی قرار دیدیا تھا،

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا کہ آپ کو کاتبین سے نفرت تھی ایک لغو سی بات ہے، بعض وہ احادیث جن مین حدیث کا بالخصوص اور قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کا بالعموم ضبط تحریر مین لانا ممنوع قرار دیا ہے، اُن احادیث کے مقابلہ مین جو کتابت حدیث کی تائید مین ہین ضعیف بھی ہین اور تعداد مین بھی کم ہین، ان احادیث کی بنا یقیناً یا تو اس فن سے بیزاری و ناپسندیدگی ہوگی جو نبوت کے ابتدائی دور مین عربون مین عام تھی، یا اس کا محرک یہ خوف و خطرہ ہوگا کہ کہین حدیثین متن قرآن مین خلط ملط نہ ہو جائین، جس کی تنزیہ تقدیس رسول اکرمؐ کو بے حد عزیز تھی، جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اب اس کا کوئی امکان نہین ہے تو حکم دیدیا کہ احادیث اور نیز قرآن کے علاوہ دوسری چیزین بھی تحریر مین لائی جاسکتی ہین، بخاری کی ایک حدیث سے بھی جس مین فتح مکہ مین حضرت ابو شاہؓ کے لیے رسول اللہ صلعم کے خطبات کی تحریر و تہذیب کی اجازت کا ذکر ہے، اس خیال کی تائید و تصدیق ہوتی ہے، جن احادیث مین رقم و تحریر حدیث کی اجازت ہے وہ ان احادیث کے مقابلہ مین جن مین اس کی ممانعت ہے بعد کی ہین، اس لیے وہ پہلی احادیث کی ناسخ ہین، خود رسول اللہ صلعم کے قوانین تحریر کرانے سے اس خیال کی مزید توثیق ہوتی ہے، حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کا جمع و تالیف احادیث کے بارہ مین جو عمل تھا، اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جو احکام مانع تحریر حدیث تھے، اس وقت منسوخ ہو چکے تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے جمع احادیث کا قصد فرمایا تو دوسرے صحابہؓ سے بھی مشورہ لیا، سب نے بالاتفاق اُن کے خیال کی تائید کی، حضرت عمرؓ نے پورے ایک ماہ تک اس پر غور فرمایا، اور استخارہ کرکے اس مصلحت کی بنا پر فی الحال اس کام کو ملتوی کر دیا کہ مسلمان کہین احادیث کے شغف مین قرآن سے بے پروا اور غافل

نہ ہو جائین، یہ کسی طرح عقل و قیاس مین نہین آسکتا کہ رسول اللہ صلعم کے منع فرمانے کے باوجود حضرت عمرؓ اس مسئلہ پر پورے ایک ماہ تک سنجیدگی سے غور و فکر فرماتے، اور دوسرے تمام صحابہ کرامؓ بالاتفاق جمع احادیث کی صلاح دیتے، پھر حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی متفقہ رائے کے خلاف اس کام کو ملتوی رکھنے کے بارہ مین قول رسولؐ نقل کرنے کے بجائے یہ عذر نہ پیش کرتے کہ ڈر ہے کہ جمع و تدوین احادیث کے بعد مسلمان قرآن سے غفلت و بے اعتنائی نہ برتنے لگین،

یورپ کے اُن مستشرقین کا جنھون نے اس موضوع کا مطالعہ ناقدانہ نظر سے کیا ہے، خیال ہے کہ بعض احادیث ایسی بھی ہین جو زمانۂ رسالت مین لکھی جا چکی تھین، چنانچہ ڈاکٹر اے اسپرنگر (سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ) لکھتا ہے،

"عام طور یہی خیال کیا جاتا ہے کہ پہلی صدی ہجری تک احادیث کی حفظ و صیانت کا طریقہ محض زبانی یادداشت تھا، یورپ کے محققین ایک غلط تخیل کے تحت (جس کا سبب لفظ "حدثنا" ہے عموماً روایت احادیث ان ہی الفاظ سے شروع ہوتی ہے) یہ سمجھتے ہین کہ امام بخاریؒ نے جو احادیث نقل کی ہین، اُن مین سے ایک حدیث بھی ان سے قبل نہین لکھی گئی، یہ ایک غلط خیال ہے، حضرت عبد اللہ بن عمروؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے خود اقوال رسولؐ قلم بند کیے تھے، اور ساتھ ہی بہت سے تابعین نے بھی اُن حضرات کی پیروی کی"[1]۔

یہ محقق اور فاضل مستشرق اپنے پُر از معلومات مقالہ "تاریخ نویسی کا آغاز و ارتقا" (جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے مجلہ جلد ۲۵ ۱۸۵۶ء مین شائع ہوا ہے) اس مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"تاہم متکلمین و محدثین مین سے بعض بالکل ابتدائی دور ہی سے جو چیز محفوظ رکھنا چاہتے تھے اسکو قلم بند کر لیا کرتے تھے، ان مین سب سے زیادہ نمایان شخصیت عبد اللہ بن عمروؓ، انس بن مالکؓ، اور

---

[1] Life of Mohammad (حیات رسولؐ) ص ۶۶ تا ۶۷، ۱۸۵۱ء (ص ۳۸۰)

اور ابن عباسؓ کی ہے، یہ رسول اللہؐ کے صحابی تھے، اور دوسرون کی بہ نسبت ان بزرگون نے اخبار و آثار رسول اللہؐ کو سب سے زیادہ تعداد مین محفوظ کیا، ان بزرگون کے ہاتھ کی لکھی ہوئی احادیث ان کے بعد ان کے خاندانون مین محفوظ رہین"۔

اگناتس گولڈ سیہر جو ایک بڑا فاضل مستشرق اور علم الحدیث کا مبصر سمجھا جاتا ہے، اپنی کتاب "Mohammadische Studien" مین جو اس کی دوسری تصانیف کی طرح خزینۂ معلومات اور تنقید و تاریخ حدیث کی ایک مستند کتاب ہے، لکھتا ہے،

"حدیث کی کسی عبارت کے لیے لفظ "متن" کا استعمال جو لفظ "اسناد" یعنی سلسلۂ رواۃ سے الگ چیز ہے، خود اس خیال کی تردید کے لیے کافی ہے کہ مسلمانون مین احادیث کا لکھا جانا ممنوع و ناجائز تھا، اور وہ صرف زبانی یاد کی جاتی تھین، یہ بات ماننا پڑے گی کہ حدیثون کا لکھنا حفظ و صیانت احادیث کا بہت پرانا طریقہ ہے، دراصل تحریر حدیث سے کراہت نتیجہ ہے اُن خیالات کا جو بعد مین پیدا ہوئے، ان احادیث کو جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پہلی صدی ہی مین لکھ کر محفوظ کر لی گئی تھین، متن حدیث کا قدیم ترین عنصر خیال کرنا چاہیے، اس خیال مین کوئی امر مانع نہین ہے کہ صحابۂ کرامؓ اور ان کے تلامذہ سہو و نسیان کے خوف سے رسول اللہ صلعم کے ارشادات و احکام لکھ کر محفوظ رکھنا چاہتے تھے، یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک ایسے معاشرہ مین جہان معمولی انسانون کے حکیمانہ اقوال تک تحریراً محفوظ کر لیے جاتے تھے، پیغمبر خدا کے اقوال و ارشادات کو محض زبانی یادداشت پر چھوڑ دیا گیا ہوگا، بہت سے صحابہؓ اپنے ساتھ صحیفے رکھا کرتے تھے، ان صحیفون کی مدد سے اپنے تلامذہ کو تعلیم و تربیت دیتے تھے، اور ان صحیفون کی محتویات "متن الحدیث" کہلاتی تھین۔ لہ"

یہی مصنف اپنی تصنیف کے باب ہفتم (صفحہ ۱۹۵) مین لکھتا ہے،

لہ Muh. St جلد ۲ صفحہ ۱۰

"ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب الحدیث اس نظریہ کی تردید نہین کرتے کہ احادیث رسولؐ بالکل ابتدائی زمانہ ہی مین قلم بند کر لی گئی تھین، درحقیقت تحریر حدیث کی قدامت کے بارے مین ہمین بہت سے ثبوت ملتے ہین، مثلاً بعض صحابہؓ کے صحیفے"۔

عربی کی بعض قدیم اور مستند کتابون اور یورپ کے بعض ممتاز ترین علم الحدیث کے مبصرین کے مذکورۂ بالا بیانات اُن لوگون کو بھی جو حدیث کی جانب سے شک و شبہہ مین گرفتار ہین اس امر کا یقین دلانے کیلئے کافی ہین کہ درحقیقت احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی مین سپرد قلم کی گئی تھین، اور اس زمانہ کے حدیث کے صحیفے بھی اس کا ثبوت ہین کہ تاریخ اسلام کے بالکل ابتدائی دور مین کثیر التعداد احادیث ضبط تحریر مین لائی جا چکی ہون گی،

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایون نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر مین تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاء پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہون نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروس سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادون اور شہزادیون نے بھی علم و ادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی مین گوناگون کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل اس کتاب مین ملاحظہ فرمایئے،

قیمت :- للعہ (مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب)

"منیجر"

روحانی دنیا

از

جناب پروفیسر عبدالماجد صاحب مظفرؔ

سماع موتی کا مسئلہ بعض حیثیتون سے مختلف فیہ رہا ہے، اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور اب اس حیثیت سے اس پر لکھنا تحصیل حاصل ہے، لیکن مضمون نگار نے یہ مضمون ان مادہ پرستون کی تردید مین لکھا ہے، جو روح اور روحانیت کے منکر ہین، اس مسئلہ مین انھون نے اسلامی نقطۂ نظر کو بھی پیش کیا ہے، اور چونکہ اس کے بعض پہلو سماع موتی سے بھی ملتے ہین، اس لئے ضمناً اس مسئلہ پر بھی بحث آگئی ہے، مگر اصل مقصود روح اور روحانیت کا اثبات ہے، اس کے بعد وہ اس مسئلہ پر بعض دوسرے فضلاء کے خیالات بھی پیش کرین گے؛

"م"

آج کل یورپ اور امریکہ کی ایک تعلیم یافتہ جماعت، روحانیات کی تحقیقات مین مصروف ہے، اور اس سے بہتیرے ایسے مسئلے متحقق ہو رہے ہین جن کی تحقیق سے آج تک فلاسفہ کے دماغ عاجز تھے، امید کیجاتی ہے کہ جو اختلافات مسائل روحانیات مین اب تک تھے، کچھ دنون مین دور ہو جائین گے، اور ہم اپنے آپ کو ایک ایسی فضا مین پائین گے، جہان روح و مادہ کی وسیع دنیا کے مشاہدات ہمارے سامنے ہون گے، چونکہ اس مسئلہ سے ہر شخص کو دلچسپی ہو اس لئے مین اس پر مختلف نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالنا چاہتا ہون، تاکہ اردو دنیا بھی ان انوکھے انکشافات سے بے خبر نہ رہے، اور ہمارے قدیم معتقدات سے بھی مناسبت پیدا ہو جائے،

تناسخ کے معتقدین کا عقیدہ ہے کہ جب روح ایک جسم سے الگ ہونے لگتی ہے، تو اس سے قبل کسی دوسرے جسم سے تعلق پیدا کر لیتی ہے، اس کی مثال یون ہے کہ جب کوئی تنکا ایک گھاس سے دوسری گھاس پر جانا چاہتا ہے، تو وہ اپنے پچھلے پاؤن اس وقت اٹھاتا ہے، جب اگلے پاؤن دوسری گھاس پر جما لیتا ہے، بعض ہندو محقق یہ کہتے ہین کہ ایک جسم سے دوسرے جسم مین منتقل ہونے مین گیارہ دن کا فصل ہوتا ہے، اس درمیان مین روح استراحت کرتی ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کو دوسرے جسم سے تعلق پیدا ہی نہین ہوتا، بلکہ دوسرے جسم مین اپنا عمل شروع نہین کرتی، اور معطل رہتی ہے، اسلئے حقیقۃً کوئی فصل نہین ہوتا، اس نظریہ کے ساتھ ہنود روحانی تخاطب سے کوئی فائدہ نہین اٹھا سکتے،

مسلمانون کا عقیدہ ہے کہ مردون کی روح طاقت احساس رکھتی ہے، تکلیف و راحت سے متاثر ہوتی ہے، اسی بنا پر عذاب قبر پر ایمان ہے، بعض روایتون سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ روح کلام سنتی اور جواب دیتی ہے، دعا اور بددعا کرتی ہے، اپنے یگانون کے خیر سے خوش اور شر سے ملول ہوتی ہے، نیک روحین اللہ کی نعمتون سے مستفید ہو کر مسرور ہوتی ہین، بد روحون کو جب عذاب ہوتا ہے، تو واویلا کرتی ہین جس کو انسان اور جن کے سوا سب سنتے ہین،

قبل اس کے کہ مردون کے ارواح کی حالت بیان کیجائے، ضرورت ہے کہ روح کے متعلق یہ بتا دیا جائے کہ روح کونسی سے شے ہے، اور ہمارا مذہبی عقیدہ اس کے متعلق کیا ہے، کیونکہ روح کی عام صفت معلوم کر لینے کے بعد ہم مُردون کی روح کی نوعیت آسانی سے سمجھ سکتے ہین،

اس مین شک نہین کہ قرآن کریم نے روح کی وضاحت نہین کی، اور انسان کو بتایا ہے کہ وہ روح کی حقیقت سے واقف نہین ہو سکتے، جیسا کہ آیہ کریمہ :-

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ	لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہین،
الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ	کہدیجئے کہ روح خدا کی چیز ہے (یا خدا کا حکم)

مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيلاً۔ (حقیقت یہ ہے) کہ تم کو سمجھ کم دی گئی ہے
(بنی اسرائیل ع ۱۰) (تم روح کی حقیقت سمجھ نہیں سکتے)

سے ظاہر ہے، لیکن جن لوگوں کو اس کی شانِ نزول سے واقفیت ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس جواب سے روح کی حقیقت پر پردہ ڈالنا مقصود تھا یا یہودیوں کی اس شرط کو پورا کرنا تھا، جو انھوں نے تصدیقِ نبوت کیلئے قائم کی تھی، یہاں پر مجھے اس واقعہ سے بحث نہیں، بادی النظر میں اس آیت سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک یہ کہ روح کی نسبت باری تعالیٰ نے براہِ راست اپنی طرف کی ہے، دوسری یہ کہ روح کی حقیقت عقلِ انسانی سے بالاتر ہے، اس نسبت خاص سے روح کی وسعت اور اس کی کمال صلاحیت ثابت ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ لفظ امر کس قدر وسیع معنی رکھتا ہے، امرِ ربی کی صفت کے بعد روح سے جو جو کرشمے ظاہر ہوں اور جن جن عجائبات کا مشاہدہ ہو، وہ کم ہے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ روح اس سے قاصر ہے، یا یہ امر اس کے لئے محال ہے، البتہ اُن کے سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے، اور ان کو کماحقہ جاننا ہمارے لئے محال ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ کس کو نہیں معلوم، خاک کے پتلے کا نفخِ روح کے بعد مسجودِ ملائک ہو جانا اسکی عظمت، بزرگی، صلاحیت اور لیاقت پر خود دلیل ہے، یہ روح تھی، جس کو سجدہ کرایا گیا تھا، ورنہ یہ خاکی پتلا کس لائق تھا،

انسان میں دیکھنے، سننے، سوچنے، سمجھنے، عمل کرنے کی جتنی طاقتیں ہیں، وہ محض روح ہی سے متعلق ہیں، روح جسم سے الگ ہونے کے بعد ایک فاضل، عالم، مدبّر اور حکیم انسان کے دل و دماغ اور سارے اعضا جن سے وہ حیرت انگیز کام کیا کرتا تھا، بیکار محض ہی نہیں، بلکہ قابلِ نفرت ہو جاتے ہیں، اگر کچھ دیر تک دفن نہ کر دیا جائے، یا جلا کر خاک نہ کر دیا جائے، تو جسم متعفن ہو جائے، ہم آپس میں ایک دوسرے کو جو ہم یا تم سے خطاب کرتے ہیں، یہ خطاب روح کے لئے ہے، کیونکہ جسم سے روح نکل جانے کے بعد نہ ہم صادق آتا ہے، نہ تم، یہ خطابات روح کے لئے صادق آتے ہیں، جس کی وضاحت آگے آتی ہے،

روح کے میدانِ عمل کا وسیع ہونا زندگی ہی میں ثابت ہو جاتا ہے، غور کیجیے کہ ہم اپنی آنکھوں سے تھوڑی دور سے زیادہ نہیں دیکھ سکتے، لیکن جب آنکھیں بند کر کے تصور کرتے ہیں، تو ایک دنیا نظر کے سامنے ہوتی ہے، انسانی معلومات کو دیکھا جائے، تو وہ سطحِ دماغی کی وسعت سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، لیکن ہمارے عالمِ تصور و ادراک میں ہر وقت موجود رہتے ہیں، اگر نظرِ تحقیق سے دیکھا جائے، تو اُس کا تعلق محض دماغ سے نہیں، بلکہ روح سے ہے، اگر دماغ سے ہوتا، تو ایسی چیزوں کا تصور جو سطحِ دماغی سے وسیع ہیں، محال ہوتا، ایک شے وسیع کا چھوٹے ظرف میں سمانا محال ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ کا فوٹو چھوٹے چھوٹے کارڈ پر اتر آتا ہے، لیکن دونوں میں یہ فرق ہے کہ تصور میں ایک شے اپنی وسعتِ ظاہری سے چھوٹی نہیں نظر آتی، بلکہ کبھی کبھی اُس کی وسعت تصور میں آکر اور بڑھ جاتی ہے، اُس کے قرب و بعد طول و عرض اور گہرائی اور بلندی کا بھی احساس ہوتا ہے، اور بعض خصوصیاتِ باطنی کا بھی، مثلاً چھوٹا گلوب ٹیبل پر دیکھ کر ہمارا ذہن زمین کی گولائی کا تصور کرتا ہے، اُس کے برعکس اسی گلوب کا عکس فوٹو میں اکثر اس سے چھوٹا ہی ہوتا ہے، اور دماغ میں ایک وسیع دنیا کا تصور مع اس کے پہاڑوں اور دریاؤں کے ایک خاص انداز میں پیدا ہوتا ہے، ذہن محض گلوب کا عکس نہیں لیتا، بلکہ اس گلوب کی توسیع کرتا ہے، اور زمین کی اصلی شکل کے مشابہ ایک نقشہ قائم کرتا ہے،

روح کی وسعت اور جولانی کا پتہ خواب سے چلتا ہے، جب تک روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے اس کا احساس حواسِ خمسہ تک محدود رہتا ہے، اور حواسِ خمسہ کا عمل ایک مخصوص دائرہ کے اندر محدود ہے لیکن جب روح اعضائے جسمانی کو معطل کر کے عالمِ ارواح کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو دور دور کی سیر ایک آن میں کر آتی ہے، رؤیا بعض ماہرینِ نفسیات کے نزدیک خود ایک عقدۂ لاینحل ہے، اس لئے اس موقع پر یہ بحث چھیڑنا اصل بحث سے دور جانا ہے، البتہ اتنا عرض کر دینا ضرور ہے کہ فرائڈ نے اپنی کتاب سائیکالوجی آف ڈریم (Psychology of dream) میں خواب کو محض بے اصل ثابت کیا ہے، اس کے خیال میں انسانی

خواب ان ہی تصورات ذہنی کا اعادہ ہے، جن کو اُس کے حواس خمسہ نے بیداری میں حاصل کیا ہے، انسانی خواب میں کوئی نئی بات جو آیندہ ہونے والی ہے نہیں دیکھ سکتا، میں نے اس مسئلہ پر ایک مدلل کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس میں نفسیات کے مغربی محققین ہی کی رائے سے رویاے صادقہ کو ثابت کیا ہے اور تجربات سے اس کی تائید کرکے اصول قائم کئے ہیں، اور یورپ نے فرائڈ کی اس تحقیق کی داد دے کر اس مسئلہ کو اس کی نادر اختراع قرار دیا ہے، اس کی مخالفت کی ہے، اس فلسفی نے ایک مغالطہ کی بنا پر دھوکا کھایا ہے، یعنی میٹا فزکس (Metaphysics) مابعد الطبیعیات کے مسئلہ کو سائیکالوجی میں ٹھونسنے کی کوشش کی ہے، یہاں پر صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ ہمارے ہزاروں تجربے شاہد ہیں کہ خواب میں ہم اکثر غیر معلوم چیزوں کو دیکھتے ہیں، اور اُس کی شرعی دلیل بھی ہمارے پاس موجود ہے،

عن ابی ھریرۃؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یبق من النبوۃ الا المبشرات، قالوا وما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روی ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت میں سے باقی نہیں ہے مگر مبشرات، لوگوں نے پوچھا مبشرات کیا ہیں، فرمایا، سچے خواب، (بخاری)

قرآن شریف سے پتہ چلتا ہے کہ خواب میں روح کا تعلق جسم سے ایک حد تک منقطع ہو جاتا ہے،

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا، فیمسک التی قضیٰ علیہ الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّیٰ ۃ (الزمر - ۵)

اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے، اور جو نہ مری ہیں، ان کو نیند کے وقت، پس جس کے بارے میں اُس نے موت کا فیصلہ کر دیا ہے، اس کو روک لیتا ہے اور دوسری کو ایک مدت معینہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے،

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے،

وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ ۃ

اور وہی ہے اللہ جو تم کو رات کو وفات دیتا ہے،

پہلی آیت کا مطلب پورا پورا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے،

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اذا اَوٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی فراشہٖ فلینفض فراشہ بداخلۃ ازارہ فانہ مایدری ما خلفہ علیہ، فیقول باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ ان امسکت نفسی فارحمھا وان ارسلت فاحفظھا بما تحفظ بہ عبادک الصالحین، (متفق علیہ)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی سونے کے لئے اپنے بستر پر جائے، تو اپنے تہمد کے اگلے حصہ سے اپنے بستر کو جھاڑے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ اُس کی لاعلمی میں اس پر کیا پڑا ہے، پھر کہے کہ خدایا تیرا نام لے کر اپنا پہلو رکھتا ہوں، اور تیری ہی مدد سے اس کو اٹھاؤں گا، اگر تو نے میری روح کو روک دیا، تو اس پر رحم فرما، اور اگر تو نے اُس کو لوٹایا، تو اُس کو محفوظ رکھ، جس طرح تو اپنے نیک بندوں کو محفوظ رکھتا ہے،

دوسری روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

قَدْ کَانَ النّبی صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اخذ مضجعہ مِنَ اللَّیْلِ وضع یدہ تحت خدہ ثُمَّ یقول اللّٰھُمَّ باسمک اموت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر مبارک پر تشریف لے جاتے تھے، اپنے رخسار مبارک کے نیچے اپنا ہاتھ رکھتے، اور فرماتے اے خدا! تیرے ہی نام کے ساتھ

واحیی واذا استیقظ قال الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور، (متفق علیہ)

مرتا ہوں اور جیتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے تعریف اس قدر کی ہے جس نے ہم کو مارنے کے بعد جلایا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے،

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند اور موت میں فرق یہ ہے کہ نیند میں گو روح اور جسم کا تعلق بالکل منقطع نہیں ہوجاتا مگر بیداری کے جیسا نہیں ہوتا اور دونوں میں ایک طرح کی بے تعلقی ہوجاتی ہے، اور موت میں قطعی طور پر روح اور جسم میں انفصال ہوجاتا ہے، اور جب روح جسم سے کسی قدر علٰحدہ ہوجاتی ہے، تو اس کی طاقت زیادہ بڑھ جاتی ہے، اور ایک وسیع عالم سے تعلق پیدا کرلیتی ہے، اس لئے خواب میں دور دور کی چیزیں معلوم ہوجاتی ہیں، اور جن چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا ہے، دیکھ لیتی ہے،

ایک جماعت کا خیال ہے کہ جب روح جسم سے الگ ہوجاتی ہے تو بالکل معطل ہوجاتی ہے، اور اس میں سننے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت مطلقاً نہیں رہتی، اس لئے پہلے ہم کو روح کی حقیقت پر غور کرلینا چاہئے کہ وہ کیا ہے، اور اس میں سننے دیکھنے اور سمجھنے کی طاقت اصلی ہے، یا محض اعضائے جسم انسانی پر موقوف ہے، اس آیت کریمہ:-

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ، (البقرہ ع ۳)

تم مردہ تھے اللہ نے تم کو زندہ کیا پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا،

کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اس زندگی سے پہلے تم مردہ تھے، اللہ تعالیٰ اس زندگی میں لایا، اس کے بعد پھر موت دے گا، اور اس کے بعد قیامت میں جسم کے ساتھ پھر جلائے گا، اور یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ پہلی موت کیا تھی، اور وہ عالم جس کو موت کہا گیا ہے وہ کیا ہے، سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب روح جسم سے الگ تھی، اس حالت کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے، پھر جب روح جسم سے نکال لیجائے گی،

تو روح پر پھر موت کی صفت صادق آئے گی، اور جب قیامت میں اللہ پاک اس کو جسم میں داخل کرکے اٹھائے گا، تو پھر حیات کی صفت صادق آئے گی، یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے،

قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ،

وہ کہیں گے مالک ہمارے تو نے دو مرتبہ ہم کو موت دی اور دو مرتبہ حیات دی،

ورنہ دو موتیں کون ہوں گی؟ اگر یہ کہا جائے کہ قبر میں سوال نکیرین کے وقت جب جسم میں روح لائی جائے گی، اور پھر جسم سے علٰحدہ کردی جائے گی، تو دو موتیں ہوجائیں گی، مگر اس صورت میں موت تو ٹھیک دو تو ہوجائیں گی لیکن حیات تین ہوجائیں گی، ایک اس عالم کی حیات، دوسری سوال قبر کے وقت کی حیات، تیسری قیامت کی حیات، لہذا قبر کی حیات وممات کو شمار میں لانا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ کنتم امواتا سے ظاہر ہے کہ حیات دنیا کے قبل کی حالت کو موت کہا گیا ہے،

اس مضمون کا مقصد روحانی طاقت کا اثبات ہے، ہمارے نزدیک روح میں ایک حد تک ہمیشہ صلاحیتیں موجود تھیں اور رہیں گی، روح جسم کی محتاج نہیں ہے بلکہ جسم روح کا محتاج ہے، آیہ میثاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیات جسمانی سے پہلے روحوں میں عقل وادراک کی صلاحیت موجود تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:-

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا غَافِلِيْنَ۝ (اعراف ع ۲۲)

اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی صلب سے ان کی اولاد کو نکال کر ان کو ان کی ذات پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو سب نے کہا بیشک ہم اقرار کرتے ہیں تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہدو کہ ہم اس سے بے خبر تھے،

اگر ارواح مین ادراک کی طاقت نہ تھی تو اَلَسْتُ بِرَبِّکُم اور قالو بلیٰ کے کیا معنی، اور اگر روح مین مرنے کے بعد احساس نہ ہوگا، تو عذابِ قبر جو اہلِ سنت و جماعت کا متفقہ مسئلہ ہے، ایک معمہ ہوکر رہ جاتا ہے؟

درحقیقت تمام شبہات کی بنیاد ان آیات کریمہ

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ (روم ع-۵)

آپ مردون کو سنا نہین سکتے، اور بہرون کو پکار سنا سکتے ہین،

اور

وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (فاطر ع ۳)

اور آپ اُن کو نہین سنا سکتے، جو قبرون مین ہین،

کو غلط سمجھنے کی بنا پر ہے، اگر اُن کے ماقبل و مابعد کی آیات کو پیشِ نظر رکھا جائے، تو ان ٹکڑون کا مقصد خود واضح ہوجاتا ہے، پوری آیت یہ ہے،

فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ اِنَّکَ عَلَی الْحَقِّ
اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ
الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ
وَمَا اَنْتَ بِهَادِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ
اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا
فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (نمل ع-۲)

آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے، آپ حق پر ہین، آپ مُردون کو نہین سنا سکتے ہین، اور نہ بہرون کو پکار سنا سکتے ہین، جب وہ منھ موڑتے ہون، اور آپ اندھون کو گمراہی سے راہ پر نہین لاسکتے، اور نہ کسی کو سنا سکتے ہین، سوا ان لوگون کے جو ہماری آیتون پر ایمان لاتے ہین، بس وہی مسلمان ہین،

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ آیات اس واقعہ سے متعلق ہین کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے کفر پر قائم رہنے سے بے دل ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اللہ پر بھروسہ رکھین، کیونکہ وہی ہدایت کرنے والا ہے،

اللہ پاک یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ آپ حق پر ہین، اس کے بعد فرماتا ہے، کہ آپ روگردانی کرنے والے مُردون اور بہرون کو اپنی ہدایت نہین سنا سکتے، ساتھ ہی ساتھ فرماتا ہے کہ مومنون کے سوا کسی کو نہین سنا سکتے، اس ٹکڑے کے ہوتے ہوئے کیا یہ سمجھا جاسکتا ہے، کہ سنانے سے محض جسمانی سماعت مراد ہے، ایسا نہین ہوسکتا، کیونکہ یہ تصور بھی نہین کیا جاسکتا، کہ آپ مومنون کے سوا کسی کو نہین سنا سکتے تھے، اسلئے کہ سارے کے سارے کفار بہرے نہین تھے، اُن کے کان موجود تھے، اور وہ گفتگو سنتے تھے، اس لئے یہان پر سنانے سے مراد ہدایت سے نفع پہنچانا ہے، چنانچہ اکثر مفسرین نے تسمع کے معنی "تفہم" یا "تنفع" لکھے ہین، یعنی آپ اُن کو جن کے دل مردہ ہین، نہین سمجھا سکتے، اس تشبیہ کے متعلق قاضی بیضاوی فرماتے ہین

شَبَّهُوْا بِالْمَوْتٰی لِعَدَمِ انْتِفَاعٍ بِاسْمَاعٍ،

مُردون سے تشبیہ دی گئی ہے، اس لئے کہ وہ سُن کر فائدہ نہین اٹھاسکتے،

ظاہر ہے کہ مردے ہدایت سے فائدہ نہین اُٹھا سکتے، کیونکہ صلاحیت اعمالِ شرعیہ مفقود ہے،

تفسیر خازن میں ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی یعنی موت القلوب یعنی جن کے دل قبولِ حق سے مردہ ہین، صاحبِ مدارک فرماتے ہین،

لما کانوا لا یعملون بما یسمعون
وَلَا بِهٖ ینتفعون شبهوا بالموتٰی

جو کچھ وہ سنتے ہین اس سنے ہوئے پر عمل نہین کرتے، اور نہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہین، اس لئے مردون سے تشبیہ دی گئی،

اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس تشبیہ سے مراد عدم انتفاع ہے نہ کہ عدم سماع، یعنی سُنا نہین سکتے سے مراد ہے کہ منوا نہین سکتے، اور اس سے فائدہ نہین پہونچا سکتے، اس مین شک نہین کہ ہدایت سے مُردون کو فائدہ نہین ہوسکتا، اور

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ

مومنون کے سوا کسی کو نہین سنا سکتے،

سے سُنانے کے معنی واضح ہو جاتے ہین، یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ

اذا وَلّوا مُدبرین،	جب روگردانی کرتے ہین،

کی صفت موتی اور صم بکم دونون کیلئے، دونون کے لئے عبارت یون ہوتی ہے کہ جب مردے اور بہرے روگردانی کرین، تو آپ اُن کو سُنا نہین سکتے ہین، مردون کی روگردانی بے معنی ہے، اس لئے لامحالہ موتی سے مراد مردہ دل کفار ہی ہین:

دوسری آیت جو عدم سماعِ موتی کی دلیل مین پیش کی جاتی ہے، اس کو دیکھا جائے، اور سیاق کلام غور کیا جائے،

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْر	نہین برابر ہین اندھے، اور آنکھ
وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّوْر	والے، اور نہ تاریکی، اور نہ روشنی،
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْر وَمَا يَسْتَوِي	اور نہ سایہ اور نہ دھوپ اور نہ زندہ اور
الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللّٰهَ	مردہ، اللہ جس کو چاہتا ہے سُناتا ہے،
يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ	آپ ان کو نہین سُنا سکتے، جو قبرون مین
مَنْ فِي الْقُبُوْرِ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيْر	ہین، آپ صرف ڈرانے والے ہین،

(فاطر ع -۳)

یہان پر بھی قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے کہ آپ قبر والون کو نہین سنا سکتے ہین، فرمادیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے سُناتا ہے، اس حکم کی تعمیم معلوم ہوتا ہے کہ جس زندہ انسان کو اللہ چاہتا ہے سناتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے نہین سناتا ہے، انسان نہین سناتا، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ پاک اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے، اور نبی کے فعل کو اپنے فعل کے تابع بتاتا ہے، جیسا کہ فرمایا

مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	یعنی آپ نے جب تیر پھینکا تو آپ نے نہین
رَمٰى، (انفال -۲)	پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا،

اس کا منشا یہ ہے کہ آپ نے پھینکا تو سہی لیکن اس کا نشانہ پر پہنچ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف تھا، یہ امر مسلّم ہے کہ انسان کا ہر کام اللہ کی استعانت کا محتاج ہے، مُردون کا کیا ذکر ہے زندون کو کلام سنانا بھی خدا ہی کا کام ہے، یعنی فعل ہمارے بس مین ایک حد تک ہے، لیکن نتیجہ فعل کا اُس فعّالِ حقیقی کی قدرت و اختیار مین ہے،

چونکہ کفار کے اصرار کفر سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو بے دلی ہو جاتی تھی، اس لئے باری تعالیٰ تسلّی دیتا ہے کہ اُن کا ایمان لانا نہ لانا میری مشیت پر موقوف ہے، وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغ یا إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيْر فرما کر آپ کو قبولِ ایمان کی ذمہ داری سے بری قرار دیا ہے، تاکہ آپ کو اس کا اندیشہ نہ ہو کہ کفار کے ایمان نہ لانے سے ما بلغت رسالتک کا حکم صادق نہ آجائے، اس خدشہ کو دفع کرنے کی غرض سے رسول کو ان آیتون سے تسلّی دیتا ہے، اس سے سماع یا عدم سماع موتی کی بحث کا ثبوت نہین ہوتا، اور نہ یہ مقصود ہے،

(باقی)

سیرۃ عائشہؓ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اون کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، قیمت :- صر

"مطبع"

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کی ایک جھلک

از ڈاکٹر ایشور ٹوپا ریڈر ہسٹری آف انڈین کلچر جامعہ عثمانیہ

ڈاکٹر ایشور ٹوپا عثمانیہ یونیورسٹی میں "ہسٹری آف انڈین کلچر" کے ریڈر ہیں، انھون نے ۱۹۳۸ء میں ایک کتاب "عہد مغلیہ سے پہلے کی سیاست" (Politics in pre-Mughal Times) لکھی تھی، سر تیج بہادر سپرو نے اس پر ایک مقدمہ لکھا ہے، جس میں فاضل مؤلف کی لیاقت، صلاحیت اور زاویۂ نگاہ کی پوری داد دی ہے، اس کتاب کا کچھ حصہ ہم معارف کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں،

ڈاکٹر ایشور ٹوپا رقمطراز ہیں:-

فیروز شاہ تغلق نے حکمرانی میں اشوک کے اصولوں کو اختیار کیا تاکہ سیاست کے بُرے اثرات زائل ہو کر عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا ایک نیا معاشرتی اور سیاسی نظام قائم ہو جائے، اس کی حکمرانی کی بنیادی باتوں میں انسانیت کے اچھے پہلو زیادہ نمایاں کئے گئے، یعنی اس کی سیاست میں نرمی، لطف وکرم اور رحم دلی غالب رہی، اس نے اپنی بادشاہت کا اولین فرض یہ قرار دیا تھا کہ انسانون

کو غیر معمولی سزائیں نہ دی جائیں اور ان کو غیر قانونی طور پر قتل نہ کیا جائے، اس کے عہد سلطنت میں انسانیت کو بہیمانہ قوتوں پر غلبہ حاصل ہوا، خود اس نے انسانوں کی خاطر سیاست کی تمام غیر منطقیانہ باتوں اور لاقانونیت کے خلاف جنگ اور ان کے پیدائشی حقوق کی حفاظت کی، اسطرح وہ اپنی رعایا کا سچا محافظ بن گیا تھا، انسانی خدمت اور انسانی فلاح کا جو تخیل حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تھا، اسی کو اس نے عملی جامہ پہنایا، اس کی دلی خواہش ایک اسلامی ریاست قائم کرنے کی تھی مگر اسی کے ساتھ وہ ریاست کے اخلاقی اور ثقافتی عناصر کو بھی نمایاں کرنے کی فکر میں رہا، اس کی حکومت عملی اور نظری حیثیت سے اسلامی طرز کی تھی، مگر اس کی اصلی غرض وغایت رعایا کی فلاح و بہبود تھی، تمام امور اسلامی نقطۂ نظر سے طے پاتے تھے، لیکن ایسے تمام جبری قوانین ختم کر دیئے گئے تھے، جن سے لوگ پریشان اور عاجز تھے، اور ان قوانین کو غیر اسلامی قرار دیدیا گیا، اور اسلامی قوانین کے ذریعہ رعایا کی فلاح اور خوشحالی میں اضافہ کیا گیا، سیاست میں اسلامی اور اخلاقی روح پھونکی گئی، اور سزائیں محض اس لئے دیجاتی تھیں کہ وہ اسلامی قوانین جن سے فلاح ہوتی تھی برقرار رہیں، اور جو شخص ان قوانین کی خلاف ورزی کرتا اس کو کلام پاک اور قاضیوں کے فیصلے کے مطابق سزا دیجاتی،

ریاست کی آمدنی بعض ایسے محصولوں سے بھی ہوتی تھی جو غیر اسلامی تھے، فیروز شاہ نے ایسے کل ٹیکس بند کر دیئے جو تفرقی، غیر قانونی اور غیر منصفانہ تھے، اور صرف ان ہی محصولوں کی آمدنی سرکاری خزانے میں لی جاتی تھی جو شرعی اور فقہی قوانین کی رو سے جائز تھے، اور اگر کوئی محصل غیر شرعی ٹیکس وصول کرتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی، اس سے اس کی حکومت میں آمدنی کے صرف یہ چار شرعی ذرائع تھے،

(۱) خراج (۲) زکوٰۃ (۳) جزیہ (۴) خمس،

خراج اس ٹیکس کو کہتے تھے جو مسلمان اور ہندو مزارعین دونوں سے وصول کیا جاتا تھا، اس ٹیکس میں کھیتوں کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جاتا تھا،

زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لی جاتی، اس کی رقم غریب مسلمانوں ہی پر صرف کیجاتی تھی،

جزیہ اس ٹیکس کو کہتے جو اسلامی رعایا اپنی غیر مسلم رعایا سے اس خدمت کے معاوضہ مین وصول کرتی کہ وہ ہندوؤن کے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کرتی رہے، جزیہ لینے کے بعد ریاست ذمہ دار ہوتی کہ کوئی ذمی کسی حیثیت سے بھی نہ ستایا جائے، اور وہ بالکل محفوظ و مصئون زندگی بسر کرے اس کو سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا پورا حق حاصل ہو اور وہ مذہبی اور معاشرتی مراسم کے ادا کرنے مین بالکل آزاد ہو، جزیہ لینے کے بعد اسلامی ریاست ہر طرح سے ذمیون کی جان و مال کی نگہبانی کرتی تھی اور اسلامی فوج جنگ کے موقع پر اور دوسرے نازک موقعون مین ان کی پوری حفاظت کرتی تھی اور ایسا کرنا اس کے مذہبی فریضہ مین داخل تھا، ذمیون سے جو روپیہ وصول کیا جاتا وہ گویا اس خون کی قیمت ہوتی جو مسلمان ان ذمیون کی مدافعت مین بہاتے تھے، اگر کوئی اسلامی ریاست ذمیون کی حفاظت کرنے سے قاصر ہو جاتی تو اس کو جزیہ وصول کرنے کا بھی حق نہ رہ جاتا، اسلامی تاریخون مین ایسی بہت سی مثالین ہین کہ جب کوئی ریاست ذمیون کی نگہبانی نہین کر سکتی ہے تو جزیہ کی رقم ان کو واپس کر دی گئی ہے، ذمیون کو اپنی خواہش سے فوج مین داخل ہونے کا پورا حق حاصل تھا، لیکن جزیہ ادا کرنے کے بعد وہ جبری بھرتی سے مستثنیٰ کر دیئے جاتے تھے، لیکن اگر اپنی مرضی سے وہ فوج مین بھرتی ہو جاتے تو جزیہ معاف کر دیا جاتا،

جزیہ ان ہی بالغ مرد ذمیون سے لیا جاتا جو جسمانی حیثیت سے تندرست اور دماغی اعتبار سے صحیح ہوتے، اور جزیہ کی رقم ادا کرنے کی استطاعت بھی رکھتے، جزیہ ادا کرنے اور لینے مین باہمی سمجھوتہ بھی ہو جاتا تھا، پھر جزیہ متمول طبقہ سے ۴۸ درہم، متوسط لوگون سے ۲۴ درہم اور غریبون سے ۱۲ درہم لیا جاتا تھا، بچے، بوڑھے، عورتین، فاتر العقل، فقیر، اندھے، اپاہج اور راہب جزیہ سے مستثنیٰ تھے، البتہ دولت مند اندھون، اپاہجون اور راہبون سے لیا جاتا تھا، جزیہ نقد اور جنس دونون شکلون مین ادا کیا جا سکتا تھا،

مسلمان فقہا سیاسی ضروریات کے مطابق جزیہ کے معانی و مطالب مین رد و بدل کرتے رہے، اور وہ جزیہ کی اصلی غرض و غایت کو نظر انداز کر کے اس کو مسلم ریاست کے سیاسی مفاد کے لئے استعمال کرتے رہے، تاکہ غیر مسلم رعایا بالکل اختیار اور قابو مین رہے، اہل تحقیق کا خیال ہے کہ بعض فقہا نے جزیہ کا غلط استعمال کیا، قاسم الغازی نے کلام پاک کے ان مفسرون کی سخت نکتہ چینی کی ہے جنھون نے کلام پاک کی آیت ۹، ۲۹ کی عجیب و غریب تفسیر کر کے فضول گوئی سے کام لیا ہے، اور ان آیات قرآنی کے متعصبانہ اور متشددانہ معانی بتلائے ہین، قاسم الغازی کا خیال ہے کہ ان آیات قرآنی کا ہرگز یہ منشا نہین ہے کہ ذمیون کو سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے تابع بنا کر ان کو گری ہوئی حالت مین رکھا جائے، اسلام کے کسی قانون نے اس تشدد کی اجازت نہین دی ہے، اگر کسی نے یہ تشدد کیا ہے تو اس کی ذمہ داری فقہا پر ہے[1]،

ہندوستان کے ازمنہ وسطیٰ مین ہندو سرکاری اور فوجی ملازمتون مین اسی طرح داخل ہو سکتے تھے جس طرح مسلمان، فیروز شاہ سے پہلے تو شاید ہندوؤن پر جزیہ لگایا بھی نہین گیا، اس زمانہ کی تاریخی کتابون مین جزیہ کا لفظ بہت ہی کم استعمال ہوا ہے، اگر کہین عائد بھی کیا گیا تو اسلامی قانون کے مطابق اس پر عمل نہین ہوا، کیونکہ خالص اسلامی طرز کی ریاست ہی نہین قائم ہوئی، فتوحات فیروز شاہی کے مطالعہ سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ سے پہلے کسی حکمران نے اسلامی روایات و قوانین کی پابندی نہین کی، پورے ملک پر اسلامی قوانین کی جزئیات کا خیال کئے بغیر حکومت ہوتی رہی، سلاطین مسلمان ضرور تھے لیکن ان کی حکومت نظری اور عملی دونون حیثیت سے غیر اسلامی تھی، حکمرانی کا ایک نظام ضرور قائم تھا لیکن اس کو اسلامی نظام نہین کہا جا سکتا، بعض مسلمان سلاطین کی خواہش ضرور تھی کہ ان کی حکومت اسلامی طرز کی ہو، لیکن ان کی خواہش عمل مین اس لئے نہ آ سکی کہ ان کے ذہن مین اسلامی حکومت کا واضح اور صاف تصور ہی موجود نہ تھا، پھر سیاسی حالات بھی کچھ ایسے پریشان کن رہے کہ وہ اسلامی

[1] معارف: مصنف نے اگرچہ بعض باتین صحیح لکھی ہین لیکن فقہا پر علی الاطلاق یہ حکم لگانا و طریقہ تعبیر صحیح نہین۔

طرز کی حکومت قائم نہ کر سکے،

ازمنہ وسطی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فیروز شاہ نے حکومت اور حکمرانی کو اسلامی طرز کے مطابق بنانا چاہا، اسی لئے اس نے جزیہ عائد کیا، فتوحات فیروز شاہی میں ہے کہ ہندوؤں اور بت پرستوں نے ذمی کی حیثیت سے زر ذمہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور نئی حکومت نے ان کی حفاظت اور نگہبانی کی ذمہ داری لی؛ اور ان کو مذہبی مراسم ادا کرنے کی پوری آزادی عطا کی، جزیہ کی رقم پہلے چالیس ٹنکا، بیس اور دس ٹنکے رکھی گئی تھی، پھر کم کر کے دس ٹنکے اور پچاس جیتل کر دی گئی،

خمس کا اسلامی قانون یہ ہے کہ جب فتوحات کے مال غنیمت میں ۱/۵ ریاست کا حق ہے اور ۴/۵ فوجوں میں تقسیم کر دیا جائے، لیکن ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اس پر عمل نہیں کیا، فیروز شاہ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے ریاست صرف ۱/۵ ہی حصہ لیا کرے،

فیروز شاہ کی حکومت کی اسپرٹ میں رعایا کی حفاظت مضمر تھی، وہ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا، اس کے اس جذبہ کا ایک بین ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اس نے رعایا کو دو کرور ٹنکے کی معافی دی، سلطان محمد تغلق کے عہد میں ایک مرتبہ جب بڑی تباہی آئی تو حکومت کی طرف سے رعایا کو دو کرور ٹنکے قرض دیے گئے، فیروز شاہ کے عہد میں جب اس قرض کی وصولی کا سوال اٹھا تو معلوم ہوا کہ اگر یہ قرض وصول کیا گیا تو رعایا کی زبوں حالی اور بے چارگی اور زیادہ بڑھ جائے گی اس لئے یہ کل قرض معاف کر دیا گیا، اور رعایا کے اطمینان کے لئے قرض کے سارے کاغذات ان کے سامنے شاہراہ عام پر جلا کر خاکستر کر دیئے گئے، عوام کے ساتھ انتہائی ہمدردی کے مظاہرہ کا یہ عجیب و غریب طریقہ تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ میں عوام کو مطمئن اور خوشحال بنانے کا کتنا غیر معمولی جذبہ موجود تھا، اس قسم کی شاہانہ نوازشوں سے رعایا کے دلوں میں بھی تشکر اور وفاداری کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا تھا جس سے دونوں کے تعلقات استوار رہتے تھے،

فیاضی اور ہمدردی کی قسم کا شاہانہ مظاہرہ زراعت اور لگان کے سلسلہ میں بھی کیا جاتا تھا، کسان ریاست کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں، اس لئے ان کا دکھ درد دور کرنے سے دوررس نتائج پیدا ہوتے تھے، فیروز شاہ نے دیہی آبادی کی بدحالی اور مصیبت کم کرنے کے لئے تمام غیر دانشمندانہ قوانین بالکل ختم کر دیئے اور اس کا بڑا لحاظ رکھا گیا کہ لگان کھیتوں کی پیداوار اور کسانوں کی مالی حالت کے مطابق وصول کیا جائے اور کسی حال میں بھی ان پر بار نہ ہونے پائے، چنانچہ ایسے تمام لگان ختم کر دیئے گئے جن میں کچھ بھی زیادتی تھی،

فیروز شاہ سے پہلے یہ رواج تھا کہ کسانوں کو صرف ایک گائے رکھنے کا حق حاصل ہوتا تھا، فیروز شاہ نے اس رواج کو بھی ختم کر دیا، اور زراعت کی ترقی اور رعایا کی خوشحالی کے لئے نئے نئے قوانین بنائے گئے، اور اس کی خاص طور سے نگرانی رکھی گئی تاکہ حکومت کے واجب الادا لگان سے زیادہ کوئی رقم وصول نہ کی جائے، اگر قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے کسانوں کو نقصان پہنچتا تو فوراً تاوان ادا کیا جاتا،

فیروز شاہی عہد میں عدل و انصاف کی حکومت تھی، اور کسی شخص کو دوسرے پر بھی ظلم و تعدی کرنے کا حق نہ تھا، تمام ملک میں مکمل امن و سکون تھا، اس سے ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ لوگوں کی زندگی میں خود بخود ترقی ہو گئی، اور اعلیٰ و ادنیٰ ہر طبقہ کے لوگ مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرنے لگے، چیزوں کی فراوانی تھی، اور وہ سستے داموں ملتی تھیں، اس لئے عام رعایا فارغ اور دولت مند ہو گئی

فیروز شاہ کا یہ کارنامہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ان قوانین کی بدولت تھا جو اس نے اپنی ریاست اور بادشاہت کے لئے اختیار کئے تھے،

امن پسند فیروز شاہ عوام کا نگہبان اور بہی خواہ ضرور تھا، لیکن اپنے مذہبی عقائد میں رجعت پسند تھا، اس میں سلطان محمد تغلق کی طرح مذہبی رواداری نہ تھی، وہ اسلام کے راسخ العقیدہ گروہ کو پسند کرتا تھا، اس لئے مذہبی خیالات و اعتقادات میں آزادی کا قائل نہ تھا، یہ کہنا مشکل ہے کہ فیروز شاہ نے مذہب میں رجعت پسندانہ خیالات خود ہی اختیار کئے تھے یا علماء کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ

سے اس کو مجبوراً یہ روش اختیار کرنا پڑی تھی، اتنا مسلم ہے کہ فیروز شاہ کے ذہن و تخیل پر علماء بہت حاوی تھے، اس لئے اس کی بادشاہت بھی ان کے اثرات کی تابع رہی، مسلمانوں کے بدعتی گروہ کو بڑی سخت سزائیں دی گئیں، کیونکہ علماء کے نقطۂ نظر سے اس گروہ کے غیر اسلامی رسم و رواج کی وجہ سے اسلام کی بنیاد کمزور ہوتی جا رہی تھی، جس مسلمان کے خیالات میں کفر یا گمراہی نظر آتی یا لوگوں کو الحاد و اباحت کی طرف مائل کرتا، یا خدائی اور پیغمبری کا دعویٰ کرتا یا بد اخلاقی اور ضلالت کی طرف رجحان رکھتا اس کو بھی غیر معمولی سزائیں دیجاتیں، چنانچہ بعض گمراہ مذہبی پیشوا یا تو جلا وطن کردیئے گئے یا علماء کے فیصلہ کے مطابق سولی پر چڑھا دیئے گئے، اور تمام ملحدانہ تحریریں جلا کر ضائع کردی گئیں، کوئی فعل ایسا نہ ہونے دیا جاتا جو اسلامی قوانین و روایات کے خلاف ہوتا، مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی اصلاح ریاست کے نقطۂ نظر سے کی گئی، ظاہر ہے کہ ہندوؤں کے بعض شعبہ ہائے زندگی پر بھی اس کا بلا واسطہ اثر پڑا، وہ ذمی تھے اس لئے ریاست کو ان کی مذہبی زندگی میں مداخلت کرنے کا حق حاصل نہ تھا، ان کے حقوق محفوظ و مصئون تھے، لیکن اسلامی روایات کے مطابق کسی اسلامی حکومت کے اندر مسلمانوں کی آبادی میں ہندوؤں کو مندر بنانے کا حق نہ تھا، تغلق پور، صالح پور اور گوہانہ کو خود فیروز شاہ نے آباد کیا تھا، اس لئے جب وہاں ہندوؤں نے نئے مندر بنائے تو ان کو فیروز شاہ نے منہدم کرادیا، پھر اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ مندر بد اخلاقی کے اڈے بن گئے تھے، ان کے میلوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہوتے تھے، عورتیں بھی آتی تھیں، اس لئے یہ مندر عبادت گاہ کے بجائے شیطنت کے مرکز بن گئے تھے، اس لئے فیروز شاہ نے اسلامی اور اخلاقی جذبہ کے ماتحت ان مخرب اخلاق اڈوں کو منہدم کردیا، یہ الگ سوال ہے کہ فیروز شاہ کو عوام کی بد اخلاقی کو دور کرنے کا حق تھا یا نہیں، حقیقت یہ ہے کہ فیروز شاہ نے جو کچھ کیا اس میں مذہبی جنون کو دخل نہ تھا، بلکہ محض عوام کے اخلاق کو سنوارنے کیلئے ایسا کیا تھا، اگر اس میں مندروں کے انہدام کرنے کا جذبہ ہوتا تو ہندوستان کے سارے مندروں کو مسمار کرادیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ ذمیوں کے حقوق کی بنا پر باقی اور تمام مندر محفوظ رہے،

"ص ع"

بعض اہل قلم کو لکھنے کے طریقے

مشہور شاعر ورڈسورتھ ہمیشہ گھر سے باہر اپنی نظمیں لکھا کرتا تھا، اور جب کوئی شخص اس سے ملنے کے لئے آتا تو اس کا ملازم اس کا کتب خانہ دکھا کر کہتا کہ وہ کھیتوں میں مطالعہ کیا کرتے ہیں، آجکل بھی بعض مصنفین کھلی فضا ہی کو ترجیح دیتے ہیں، ایچ، ای بیٹس اپنے باغ میں ایک پرانے صوفہ پر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے دونوں زانوؤں پر ایک دفتی رکھ کر کام کرتا ہے، اینڈ بلائی ٹن جس نے بچوں کی بکثرت کتابیں لکھی ہیں اپنے باغ میں ایک ٹائپ رائٹر لیکر لکھتی ہے، لیکن بعض اہل قلم گھر ہی میں لکھنا پسند کرتے ہیں،

ڈکنس ایک بہت وسیع اور پر تکلف دار المطالعہ میں بیٹھ کر لکھنے کا عادی تھا، لیکن ٹھیکرے ایک علحدہ اور چھوٹے کمرے میں بند ہو کر لکھتا تھا، اس کے کمرے کی کھڑکیوں میں ایسے شیشے لگے تھے کہ باہر کی آواز اندر آنے نہیں پاتی تھی، چسٹرٹن بھی اپنے دار المطالعہ ہی میں لکھا کرتا تھا، برنارڈ شا نے اپنے باغ میں لکڑی کا ایک چھوٹا سا کمرہ بنایا تھا جس میں بیٹھ کر لکھتا رہتا تھا،

زیادہ تر مصنفین قلم یا پنسل استعمال کرتے ہیں، لیکن مسودوں کو خوشخط لکھنے کا آرٹ اب قریب قریب ختم ہو گیا ہے، آرنالڈ بینٹ اور ڈی ایچ لارنس کے مسودے بڑے خوشخط ہوتے تھے، لیکن دونوں کے بعد کسی اور نے یہ اہتمام نہیں کیا، ایچ، جی، ویلس بہت ہی بد خط تھا، اس کے مسودوں کو صرف دو ہی شخص پڑھ سکتے تھے، ان میں ایک اس کا سکریٹری تھا، ڈکنس کا بھی خط بڑا ہی خراب تھا، روز میکاؤلے اتنے بڑے حروف لکھا کرتی ہے کہ ایک صفحہ پر پچاس الفاظ سے زیادہ نہیں آتے، اس کے مقابلہ میں ایلک واف کے حروف اتنے چھوٹے اور صاف ہوتے ہیں کہ وہ ایک صفحہ پر ایک ہزار الفاظ لکھتا ہے، بعض مصنفین اپنا پورا مسودہ ٹائپ رائٹر ہی سے تیار کرتے ہیں، جے، بی، پریسٹلی ٹائپ رائٹر لیکر بیٹھتا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا کہ ٹائپ رائٹر کے شور سے پریشان نہ ہو، برنارڈ شا

جو کچھ لکھنا چاہتا تھا وہ پٹ مین کی فونوگرافی میں لکھتا تھا، جو شارٹ ہینڈ سے کسی قدر مختلف ہے، وہ کہتا تھا کہ اس طرح لکھنے سے وہ سالہا سال کی محنت سے محفوظ رہا، ایڈگر ولیس ہزاروں الفاظ ایک ڈکٹافون (وہ آلہ جس مین تقریر محفوظ رہتی ہے اور بعد مین ٹائپ کی جاتی ہے) مین لکھا دیتا، وہ بیس منٹ مین بارہ سو الفاظ لکھاتا تھا، اس وقت اس کے ایک ہاتھ مین ڈکٹافون اور دوسرے ہاتھ مین چائے کی پیالی ہوتی، اسی طرح اس نے اسی ہزار الفاظ کا ایک ناول The Devil man ساٹھ گھنٹے مین مکمل کرا دیا، وکٹر ہیوگو کام کرتے وقت ایک میز کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا، جو اس کے کاندھون تک ہوتی تھی، اس نے اپنا مشہور ناول Des Miserable اسی طرح لکھا، بعض اوقات وہ مسلسل چودہ گھنٹے تک کھڑا رہتا تھا،

بلجیم کا شاعر ویرلین شراب ہی پی کر کام کر سکتا تھا، Yale کا مصنف ہاف مین شراب کے بغیر لکھنے پڑھنے کا کام نہین کر سکتا تھا، بالزیک شراب تو نہین پیتا لیکن کام کرتے وقت قہوہ کی درجنون پیالیان پی جاتا تھا، وہ لکھتے وقت لکھے ہوئے صفحات فرش پر گراتا جاتا اور بعد کو ترتیب دیتا تھا، ایڈگر ولیس زیادہ تر رات کو کام کرتا، ڈوما جب کام شروع کرتا تو اس وقت تک کرتا رہتا جب تک کہ کام ختم نہ ہو جاتا، اپنے کپڑے اور جوتے ملازم کو دیدیتا تاکہ وہ باہر نہ جا سکے، امیلی زولا بھی بہت زیادہ کام کرنے کا عادی تھا، اس نے اپنے نوشت و خواند کے کمرے مین سونے کے حروف مین لکھ رکھا تھا کہ کوئی دن کسی سطر سے خالی نہ ہو، سر والٹر اسکاٹ کے بھی مسلسل لکھنے کی کوئی حد نہ تھی،

«ص ع»

ادبیات

عرفانِ عارف

از

جناب عارف عباسی بلیاوی

دیکھئے دیدہ و دل بھی مرے کام آتے ہین
سُن رہا ہون کہ وہ پھر بر سرِ بام آتے ہین

شوق کی راہ مین ایسے بھی مقام آتے ہین
خود لگا ہون کو تجلّی کے سلام آتے ہین

ڈھونڈتی ہے اُنھین ہر سمت حیاتِ ابدی
وہی لمحے جو تری یاد مین کام آتے ہین

غم کو اپنا جو بناتے ہین خوشی اُن کی ہے
ہین وہی صید جو ہنس کر تہِ دام آتے ہین

خواجگی اُن کے قدم چوم لیا کرتی ہے
تری محفل سے پلٹ کر جو غلام آتے ہین

بزمِ ساقی مین باندازۂ توفیقِ طلب
پینے والون کو نئے جام پہ جام آتے ہین

تذکرہ اُن کے تبسّم کا جہان ہوتا ہے
مسکراتی ہوئی کلیون کے سلام آتے ہین

ہر نظر اپنی جگہ کانپ کے رہ جاتی ہے
منزلِ دید مین ایسے بھی مقام آتے ہین

شعر کی شکل مین ڈھل جاتے ہین اکثر عارفؔ
میری تنہائی مین جب اُن کے پیام آتے ہین

غزل

جناب وجیہ الحسن صاحب رضوی سیتاپوری

کیونکر کٹے گا ہجر کا عرصہ ترے بغیر
اک محشرِ خیال ہے برپا ترے بغیر

اکثر خوشی چاندنی راتوں میں اے حبیب
بیٹھا رہا ہوں میں لبِ دریا ترے بغیر

محسوس ہو رہی ہے کمی ہر طرف تری
جیسے ہر ایک چیز ہے تنہا ترے بغیر

آجا تو رنگ و نور میں ڈھل جائے کائنات
ہر منظرِ حیات ہے سونا ترے بغیر

آواز دے تو سجدے میں آجائیں رونقیں
ہوں تیرے در پہ ناصیہ فرسا ترے بغیر

جلوے ترے کہاں ہیں بتا ڈھونڈتا ہوں میں
بجھنے لگا چراغ تمنا ترے بغیر

پہچاننا کسی کا اب آسان نہیں مجھے
باقی نہیں ہے ہوش بھی میرا ترے بغیر

جب مجھ کو یاد آئی تری دل تڑپ گیا
اب زندگی محال ہے گویا ترے بغیر

اب تاب یہ نہیں ہے کہ میں مسکرا سکوں
برباد ہے سکون کی دنیا ترے بغیر

بہر وجہ حسرت و آلام، اشک و آہ
ساماں موت کے ہیں مہیا ترے بغیر

غزل

از جناب قیسی رامپوری فاروقی ایم، اے

وہ لذتِ غم کو کیا جانے جو واقفِ صد آلام نہیں
سہہ جائے تھپیڑے ہنس ہنس کر یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں

ہوں جام بکف واعظ لیکن اب جام وہ میرا جام نہیں
ہے تلخ حقیقت کی تلچھٹ کچھ اس میں مئے گلفام نہیں

برہم جو نگاہِ حسن ہوئی تسکینِ دلِ ناکام نہیں
اب صبح یہ میری صبح نہیں، اب شام یہ میری شام نہیں

لٹتا ہو نشیمن لٹنے دے اس قید مکاں سے چھٹنے دے
دو تنکوں کی خاطر اے ہمدم تسکین نہیں آرام نہیں

گردش میں مسلسل جام بھی ہو مطرب بھی ہو گلفام بھی ہو
کیا بات ہو بزم ساقی میں پہلا سا ہجوم عام نہیں

ہم تشنہ لبانِ خاک بسر نیت ہیں ترے میخانے کے
بیٹھے ہیں تو بیٹھا رہنے دے ہر چند صلائے عام نہیں

ناکردہ گناہی کا میری جب ذکر کبھی آجاتا ہے
کہتے ہیں نگاہیں پھیر کے وہ کہنے کو کوئی الزام نہیں

توقیر زمانے میں اپنی قیسی نہ سہی تحقیر تو ہے
ناکام سہی بدنام سہی کیا کم ہے کہ اب گمنام نہیں

مطبوعات جدیدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی
از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۳۰۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد پانچ روپیے، پتہ ادارہ اسلامیات انارکلی، نمبر ۱۹، لاہور۔

سیرۃ النبی پر اردو میں ہر معیار اور ہر مذاق کی کتابیں موجود ہیں جن میں مصنفین نے اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے، چنانچہ اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی کو پیش کیا گیا ہے غزوات نبوی اور مختلف قبائل اور اہل مذاہب کے ساتھ صلح و جنگ وغیرہ کے حالات سیرِ نبوی کا اہم حصہ ہیں، اس لئے سیرت کی کوئی کتاب بھی اُن سے خالی نہیں ہو سکتی لیکن خاص اس موضوع پر اس تفصیل و تحقیق کے ساتھ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے، عہد نبوی کی سیاست مصنف کا خاص موضوع ہے، اور اس پر اُن کا مطالعہ اور تحقیقات نہایت وسیع ہے، اور انھوں نے اُس کے مختلف پہلوؤں پر اردو اور انگریزی وغیرہ میں بہت سے محققانہ مضامین لکھے ہیں، اب انھوں نے اردو کے مضامین کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے، عرب کے پڑوس میں ایران و روم کی دو عظیم الشان حکومتیں اور یہودیت و نصرانیت دو بڑے مذاہب تھے، یہ مذاہب خاص عرب میں بھی موجود تھے، اور اس کے بعض حصوں میں یہودیوں کو مذہبی اور اقتصادی غلبہ و اقتدار حاصل تھا، اس کے علاوہ عرب خصوصاً قریش تجارت پیشہ تھے اور اس سلسلہ میں پڑوسی ملکوں میں اُن کی آمد و رفت رہتی تھی، اور اُن سے اُن کے تعلقات تھے، عرب کے بعض سرحدی علاقوں میں ایران و روم کی حکومتوں کا سیاسی اقتدار تھا، اس لئے ان سب کے ساتھ ان کا موافقانہ اور مخالفانہ قدیم

تعلق تھا، اس لئے ظہورِ اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی، اُن سے واسطہ پڑا، اسلام کی دعوت مذہبی اور سیاسی دونون حیثیتون سے ان تمام جماعتون کے خلاف پڑتی تھی، توحید کی دعوت مشرکینِ عرب کے خلاف تو تھی ہی، یہودیون اور عیسائیون نے بھی اس کو اپنے مذہب کا حریف سمجھا، حکمران اور برسرِ اقتدار طبقہ نے سیاسی حیثیت سے اس کو خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھا، اس لئے عرب اور بیرونِ عرب کی تمام قوتون نے اس کی مخالفت کی، اور اس سلسلہ مین اُن سب کے ساتھ اسلام کو حریفانہ معرکے، حلیفانہ معاہدے، دوستی دشمنی اور صلح و جنگ وغیرہ کے سیاسی معاملات و مراحل پیش آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تائیدِ غیبی کے ساتھ ساتھ اپنی سیاسی و ایمانی بصیرت سے اس طرح اُن کا مقابلہ کیا کہ بالآخر ساری طاقتون کو مغلوب ہو کر اسلام کے سامنے سپر ڈالنا پڑی، مذکورۂ بالا کتاب مین اس پوری سرگذشت کو تحقیق و تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے عہدِ نبوی کی سیاسی تاریخ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر و سیاست کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، دعوتِ اسلام کے سلسلہ مین آپ نے عرب اور بیرونِ عرب کے امرا و سلاطین کے نام جو خطوط لکھے تھے، اور اُن سے دوسرے معاملات پر جو مراسلت و مکاتبت ہوئی تھی، اور ان مین سے جو مکتوباتِ نبوی اب تک محفوظ سمجھے جاتے ہین، اُن کی صحت اور عدمِ صحت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس سیاسی سرگذشت کے ساتھ معنف نے سیرتِ نبوی کے دینی پہلو، اس کی ضرورت و اہمیت، اس کے ماخذون کی صحت، اسلام سے پہلے دنیا کی حالت، بعثتِ نبوی کی ضرورت، اس کے لئے عرب کے انتخاب کی حکمت و مصلحت، اور اسلام کی عالمگیر برکتون وغیرہ سیرتِ پاک کے دوسرے ضروری اجزاء کو اختصار کے ساتھ دکھایا ہے، اور ولادتِ نبوی سے لے کر بعثت تک کے مختصر سوانحِ نبوی بھی دیدیئے ہین، جس سے اس کتاب کا افادہ بہت بڑھ گیا ہے، اور وہ صحیح معنون مین سیرتِ نبوی ہو گئی ہے، فاضل مصنف کی دوسری کتابون کی طرح یہ کتاب بھی اس کی وسعت اور دقتِ نظر، تلاش و تحقیق کا نمونہ اور عوام سے زیادہ خواص اور اہلِ علم کے مطالعہ کے لائق ہے، اس سے اردو مین سیرۃ نبوی پر ایک قابلِ قدر کتاب کا اضافہ ہوا،

اصولِ دعوتِ اسلام از جناب مولانا طیب صاحب قاسمی تقطیع اوسط ضخامت ۹۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ ادارہ دعوت الحق غریب خانہ گوشہ محل روڈ حیدر آباد دکن،

دین کی تبلیغ ہر مسلمان کا فریضہ ہے، لیکن اس کے کچھ اصول و شرائط ہین جن کا لحاظ کئے بغیر بعض وقت تبلیغ سے مفید کے بجائے مضر نتائج پیدا ہو جاتے ہین، فاضل مصنف نے اسی نکتہ کو واضح کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی ہے، اور اس مین عقل و نقل اور آیات و احادیث کی روشنی مین تبلیغ کی اہمیت و ضرورت، اس کے تمام اجزاء تبلیغ و دعوت، داعی و مبلغ اور مدعو الیہ، (جس چیز کی دعوت دیجائے) کے جملہ لوازم و شرائط کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، اور کتاب کے آخر مین قرنِ اول کے مسلمانون کے تبلیغی واقعات، موجودہ اسلامی ملکون کی اس فریضہ سے غفلت، اور اُن کی غیر اسلامی روش پر تبصرہ کیا ہے، اور تبلیغی نظام پورا دستور العمل تحریر کر دیا ہے، یہ کتاب مبلغین کے لئے نصاب کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے خصوصیت کیساتھ اُن کے مطالعہ کے لائق ہے، اور عام مسلمان بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

حیاتِ جمیلہ از جناب مولوی قاضی اطہر صاحب مبارک پوری تقطیع جیبی، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہین، پتہ دائرۂ ملیہ مبارک پور ضلع اعظم گڈہ،

مسلمانون کے زوال اور اُن کی پستی و زبون حالی کا سب سے بڑا سبب اسلامی احکام و تعلیمات سے اُن کی بے تعلقی ہے، یون تو سارے مسلمان کلمہ گو ہین، لیکن ان کی زندگی کو عملاً اسلام سے بہت کم علاقہ رہ گیا ہے، اور ان کے اعمال و اخلاق اور سیرت و کردار مین اسلام کا کوئی اثر نہین پایا جاتا، مصنف نے اس کتاب مین اُن کی مذہبی اور اخلاقی خامیون کو ظاہر کر کے قرآن مجید و احادیث نبوی سے اس کی اصلاح کی تدبیرین اور صحیح اسلامی زندگی بسر کرنے کے طریقے بتائے ہین، کتاب اس مقصد کے لئے مفید ہے،

جمرس از جناب واثق جونپوری تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر،

قیمت مجلد ہے، پتہ:- دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

ترقی پسند شاعری کا آغاز اگرچہ روسی اشتراکی ادب کی نقالی سے ہوا، لیکن ہندوستان کے سیاسی و اقتصادی حالات نے اس نقل کو اب اصل بنا دیا ہے، اور نوجوانون مین اشتراکی خیالات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہین، جس کا اثر شعر و ادب مین بھی نمایان ہے، اور نئے طبقہ کے کسی شاعر کا کلام مشکل ہی سے اس سے خالی نکل سکتا ہے، جن شعراء کو اس سے تعلق نہین بھی ہے، وہ بھی اشتراکی خیالات کی طلب و مقبولیت کی بنا پر اپنے کلام مین اس کے چھینٹے دینے پر مجبور ہو جاتے ہین، گو ترقی پسند شعراء کی بڑی تعداد ایسی ہے، جن کے کلام پر مشکل سے شاعری کا اطلاق ہو سکتا ہے، لیکن ان مین بعض باذاق بھی نکل آتے ہین، جن کے خیالات خواہ کیسے ہی ہون، مگر ان کا کلام شاعری کے زمرہ مین شمار کیا جا سکتا ہے، ان مین وامق جونپوری بھی ہین، گو اُن کی شاعری کی عمر ابھی زیادہ نہین ہے، لیکن انھون نے ترقی پسند شعراء مین خاصہ امتیاز حاصل کر لیا ہے، جرس اُن کے کلام کا مجموعہ ہے، اُن کی بیشتر نظمین ترقی پسند خیالات و رجحانات کا آئینہ اور موجودہ سیاسی سماجی اور اقتصادی الجھنون کے خلاف اعلانِ جنگ ہین، بعض نظمین خالص رومانی اور شاعرانہ بھی ہین، اور آخر مین چند غزلین اور متفرق اشعار ہین، گو مصنف کا کلام بھی ترقی پسند شعراء کی ادبی و شعری بے عنوانیون سے خالی نہین ہے، اور بعض نظمون مین شاعری کے قیود سے آزادی برتی گئی ہے، لیکن ان کا ذوق سلیم اور شاعری سے اُن کو مناسبت ہے، اس لئے اُن کا کلام اردو شاعری کے آہنگ سے خارج نہین ہونے پایا ہے، اور موجودہ بے راہ رو ترقی پسند شعراء کے کلام کے مقابلہ مین بہت غنیمت ہے،

"م"

جلد ۶۷ ماہ جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۵۱ء عدد ۴

مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۲۴۲-۲۴۴

مقالات

جنایات بوجہ غفلت — جناب ڈاکٹر محمد غوث صاحب ایم اے ال ال بی پی ایچ ڈی (عثمانیہ) — ۲۴۵-۲۷۷

ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے عہد مین فوجی ورزش — جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم اے — ۲۷۸-۲۹۱

دانتے کی نظم "طربیہ ربانی" — ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پیرس — ۲۹۲-۲۹۷

اردو کا سب سے پہلا اخبار — جناب حامد اللہ صاحب افسر لکچرار اردو لکھنؤ یونیورسٹی — ۲۹۸-۳۰۲

" " — جناب خواجہ راحت حسین صاحب اکبر آبادی، ادارہ ڈان کراچی، — ۳۰۳-۳۰۵

ادبیات

مرثیہ عربی — جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی — ۳۰۶-۳۰۷

غزل — جناب شاہ ولی الرحمن صاحب ڈپٹی کلکٹر آرہ — ۳۰۷-۳۰۸

" — جناب ڈاکٹر عبد الحئی صاحب بی اے ال ال بی، علیگ — ۳۰۸

باب التقریظ والانتقاد

مرآۃ الشعراء جلد دوم — مولانا عبد السلام ندوی — ۳۰۹-۳۱۶

مطبوعات جدیدہ — "م" — ۳۱۷-۳۲۰